986
406
6
مارچ ۸۹

دینی، اصلاحی، علمی تصوّف وسلوک کا واحد مجلّہ

ماہنامہ

المرشد

چکوال۔

بیاد:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب رح

سرپرست:

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

مدیر مسئول:

حافظ عبد الرّزاق ایم اے (عربی۔ اسلامیات)

ماہنامہ المرشد لاہور
مارچ ۱۹۸۶ء

ادارئیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بارِ دگر

اَلحمدُ للہ اس سال پھر حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر کے تاثرات دو حصّوں میں بٹ جاتے ہیں ایک وہ جن کا تعلق سر کی آنکھوں سے مشاہدہ سے ہے جس سے دل اور جذبات کی دنیا لازماً متاثر ہوتی ہے۔

وہ مُلک، وہ شہر، وہ گلی کوچے، وہ میدان، وہ پہاڑ، وہ ریت اور کنکر جنہیں حبیب کبریا کے جسم اور تلوؤں سے مَس کا شرف حاصل ہوا ہے۔ انہیں دیکھنا اور اس ساری تاریخ کا چشم تصوّر کے سامنے گھوم جانا جو اس ماحول سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک فطری امر ہے اور اس جذب وانجذاب سے دل کی دنیا میں ایک حسین تموّج پیدا ہونا بھی بالکل طبعی امر ہے۔ مگر یہ کیفیات و واردات اسی کا حصّہ ہیں جسے خود یہ تجربہ ہو، دوسروں کو اس نعمت عظمیٰ میں شریک کرنا اسی کا کام ہے جو الفاظ کے ذریعے، اسلوب بیان کی مدد سے اپنی قادر الکلامی کی بنا پہ دوسروں تک وہ احساسات منتقل کرنے کا سلیقہ جانتا ہو جو اس کے مشاہدے سے اس پر وارد ہوئے۔ اور اپنے یہاں تنگ دامانی کے احساس کے بغیر دھرا ہی کیا ہے؟

دوسری قسم کے تاثرات وہ ہیں جن کے متعلق مولانا رومؒ نے فرمایا تھا ۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام

یعنی الٰہی! میری روح کو وہ مقام دکھا دے جہاں حروف و الفاظ کے بغیر کلام معرضِ وجود میں آتا ہے۔ روح کے واردات اس مادی دور کے لئے ناقابل یقین ہوتے ہیں

اور ایسا ہونا بھی چاہیئے ۔ کیونکہ اس دور میں تمام علوم و فنون کی تگ و دو تحقیق اور منتہا یہ جسم اور اس کے متعلقات ہی تو ہیں ۔

ترا گاہے گریبانے نہ شد چاک
چہ دانی لذتِ دیوانگی را

عجیب اتفاق ہے کہ ہمارے شیخ سلسلہ اور تمام ہم سفر احباب کا زیادہ تر تعلق اسی حصہ سے ہے جس میں روحانی واردات اور کیفیات ہی سرمایہ حیات ہوتے ہیں ۔ ہمارے "تہذیب زدہ" حضرات کے ذہن کے کسی گوشے میں ایسے واقعات پر یقین کی بات کا گذر ہی نہیں ہوتا ستم تو یہ ہے کہ وہ حضرات جو علم کتابی میں بیشمار سندات کا سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں انہیں بھی یہ پہلو ناقابل یقین محسوس ہوتا ہے غالباً ایسے ہی حالات سے متاثر ہو کر ایک اہلِ دل نے کہدیا تھا ۔

تجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے مُلّا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

حالانکہ اسلامی لٹریچر پر سرسری نگاہ بھی آدمی کو اس کے نشان راہ مہیا کر دیتی ہے ۔
حیاتِ برزخیہ کے سلسلے میں ایک حدیث معراج ہی معتدبہ دلائل کی حامل ہے ۔ پھر علمائے ربانی اور صوفیائے کرام نے تو اس سلسلے میں جو تحقیق کا حق ادا کیا ہے انہیں کا حصہ ہے ۔
مثلاً ۔ المہند میں جو عقائد دیوبند کی مستند دستاویز ہے اس کے ص۱۶ پر لکھا ہے عقیدہ دربارہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

۔ سوال : کیا فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپکو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے ۔ ؟

جواب : ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے ۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہدا کے ساتھ ۔

۲ ۔ شیخ الحدیث حضرت محمد زکریاؒ نے فضائل حج نمبر ۱۵۱ پر بحوالہ بذل المشیر فرمایا ہے :۔

۲- سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں ہیں ان کا قصہ مشہور ہے کہ ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور روضۂ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ دو شعر پڑھے ؎

فی حالت البعد روحی ارسلها تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولت الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بہا شفتی

"یعنی۔ دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ اسے چومیں"

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک نکلا اور انھوں نے اسکو چوما۔

(الحاوی للفتاوی۔ امام سیوطیؒ)

۳- الفتاوی الکبری۔ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۲۴۶ -

ترجمہ: مشہور اور مستفیض احادیث سے ثابت ہے کہ مُردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے اعمال کو جانتا ہے۔ جو ان کو دُنیا میں پیش آتے ہیں۔ یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے۔ - - - مُردوں کی روحیں اجتماعات بھی کرتی ہیں لیکن صرف اعلیٰ روحیں ادنیٰ کی طرف نازل ہوتی ہیں اس کے برعکس نہیں۔

۴ - اتحاف النبلاء ص ۴۱۵

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی فرماتے ہیں۔

ترجمہ: جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے۔ اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جو شخص آپ پر عند القبر سلام کہتا ہے آپ اس کو سُنتے ہیں"۔

۵- میرے ایک پرانے کرم فرمانے غالباً اس اصول کے تحت کہ ؎

کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو

ایک اقتباس بھیجا ہے گو وہ ایک ڈاکٹر کا قول ہے مگر وہ ڈاکٹر بمعنی علامہ کے ہے۔ ڈاکٹر بمعنی جراح نہیں۔ اور وہ ہے ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانہ میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب، محمدی نسبت پیدا کرے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔

(بنام خان محمد نیاز الدین خان ۱۴ جنوری ۱۹۲۲ء
روح مکاتیب اقبال - محمد عبد الاحد قریشی اقبال اکادمی لاہور
۱۹۷۷ء ص ۲۷۸)

رہا ان باتوں کے اظہار کا معاملہ تو اس سلسلے میں بھی اسی عزیز کرمفرما نے ایک اور اقتباس بھیجا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ خواجہ حسن نظامی کے نام علامہ اقبال رقم طراز ہیں:-

"الاحسان" کے دو نمبر بھی کل موصول ہوئے۔ خوب اور بہت خوب! کس قدر تغیر ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مضمون پہ بات کرنا خلاف اصول طریقت تھا۔ اب یہ زمانہ ہے کہ ماہوار رسالے شائع ہو رہے ہیں اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔

(اقبال نامہ حصہ دوم مرتبہ شیخ عطاء اللہ۔ شیخ محمد اشرف اینڈ سنز ۱۹۵۱ء ص ۲۵۵)

بہر حال اس شمارے میں اس قسم کی روداد حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کے قلم سے پیش کی جا رہی ہے۔ تفصیلی سفر نامہ اگلے شمارے میں ان شاء اللہ حافظ غلام جیلانی صاحب کے قلم سے پیش کیا جائے گا۔

مدیر

اسرار التنزیل

حضرت مولانا
محمد اکرم صاحب
مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

طسم تلک ایات الکتاب المبین لعلک باخع نفسک .. الخ
وما یاتیھم من ذکر من الرحمٰن ... عنہ معرضین ہ

اللہ جلّ شانہٗ کے قائم کردہ اس نظام حیات میں باقاعدگی اور ایک مرکزیت ہر شعبے میں موجود ہے آپ اس نظام کے کسی گوشے کو دیکھیں سورج چاند اور ستاروں سے لیکر ہواؤں بادلوں دریاؤں پانیوں اور چھوٹی چھوٹی تخلیقات سے لیکر بہت بڑے بڑے پہاڑوں تک تمام چیزوں کے ہر شعبے میں ایک ربط ایک نظم ایک مرکزیت موجود ہے ان کے اوقات اُن کا دائرہ کار مقرر ہے اور کوئی ایک کڑی بھی اپنی جگہ سے کھسک جائے تو پورا شعبہ متاثر ہوتا ہے ایک حسن ہے ایک امتزاج ہے ایک ترتیب ہے ایک ربط ہے جس سے یہ ساری کارگہِ حیات چل رہی ہے۔ اس کی اس ترتیب کو اس کے اس ربط کو کہیں سے بھی جب بھی ذرا سا کوئی نقصان پہنچے گا۔ آپ اسی کو ستاروں اور سیاروں کی حرکات ہی میں دیکھ لیں۔ اس جو ّ سماوی میں کتنے کتنے بڑے عظیم سیارے تیر رہے ہیں جن میں یہ زمین بھی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کوئی بے قاعدگی کرے تو جس دن یہ بے قاعدگی ہوگی وہی قیامت کا دن ہوگا۔ کوئی بھی سلامت نہیں رہے گا سب پاش پاش ہو جائیں گے اسی طرح آپ چھوٹے سے چھوٹے نظام کو دیکھ لیں۔ ایک چھوٹے سے پودے کو دیکھ لیں جڑ سے لے کر پتے تک جڑ کا اپنا کام ہے تنے کا اپنا کام ہے شاخ کا اپنا کام ہے اور پتے کا اپنا کام ہے تو ایک بہت بڑا کارخانہ اس چھوٹے سے وجود میں موجود ہے کہ اس زمین کی وسعتوں میں سے اپنے مطلب کی غذا جڑ حاصل کرتی ہے۔ پھر وہ جڑ سے سیدھی پتے میں جاتی ہے پتے میں ایک پورا کارخانہ لگا ہوا ہے وہ اس کو مختلف شکلوں میں پکاتا ہے اور پھر اُسے واپس تقسیم کرتا ہے کسی سے تنا اور شاخ بنتی ہے کسی حصے سے چھال بنتی ہے کسی حصے سے مزید جڑ نشوونما پاتی ہے اور کوئی حصہ جا کر کلی یا پھول یا پھل بنتا ہے تو ایک چھوٹے سے پودے میں

آپ شمار کریں کتنے پتے ہیں۔ کتنی جڑیں ہیں یعنی آمدن کے اسباب و وسائل کتنے ہیں پھر اس کو پکانے کے اور اس کے اندر ترسیل کرنے کے ذرائع کتنے ہیں۔ اگر کہیں ایک جگہ سے ترتیب ٹوٹ جائے تو وہ سارا پودا خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے کسی ایک جگہ گرہ آجائے تو اس کا تعلق جہاں تک ہوتا ہے وہ شاخ یا وہ حصہ سوکھ جاتا ہے۔

اسی طرح سے آپ کسی نظام کو بھی دیکھ لیں ایک ربط ہے اُن میں ایک حسن ہے ایک باقاعدگی ہے اور انسان اس تمام کائنات کا حسن ہے۔ یہ جتنی باقاعدگی آپ کو اجرام میں اجسام میں نظر آتی ہے یہ تکوینی طور پر اُن میں سمو دی گئی ہے۔ سورج کا کمال نہیں ہے کہ یہ اپنے مرکز پہ قائم ہے یا وہ اپنی مقدار کے مطابق روشنی دے رہا ہے۔ چاند کا یہ کمال نہیں ہے کہ وہ اپنے راستے سے نہیں ہٹتا یہ سارا کمال اس کی قدرت کاملہ کا ہے جس نے ایک ایک ذرّے کو اس کی جگہ پہ لگا دیا ہے۔ اور اس کی جرأت نہیں ہے کہ وہ وہاں سے ہٹ سکے جب وہ خود چاہے گا تب ہی وہ راستے سے بھٹکیں گے اور تب ہی یہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور پاش پاش ہوں گے۔

انسان اس ساری کائنات کا حسن ہے اس کا وجود صنعت باری کا شاہکار ہے اس کے وجود کی خصوصیات اللہ کی عظمت پہ دلالت کرتی ہیں خالق کی صنعت اور اس کی قدرت کاملہ کی گواہ ہیں۔ انسان کو رب کریم نے یہ شرف بخشا ہے ساری کائنات میں کہ ایک حسن ترتیب ایک حسن ربط اس کے اختیار میں دیدیا ہے اس کا بننا اس کا پیدا ہونا اس کا مرنا اس کی صحت و بیماری یہ ساری چیزیں تکوینی طور پہ آتی ہیں اس پہ اور اُن میں یہ بالکل بے اختیار بلا ارادہ چلا جاتا ہے۔

کسی کا وجود کیسا ہے شکل و صورت کیسی ہے قد کاٹھ کیسا ہے عقل کتنی ہے شعور کتنا ہے علم کتنا ہے اس میں اور استعداد کتنی ہے عمر کتنی ہے اس کی صحت و بیماری کیسی ہے، رزق کتنا ہے اس کے پاس اور افلاس میں کیوں مبتلا ہے یہ ساری چیزیں من جانب اللہ ترتیب دیدی گئی ہیں اور ایک ربط ہے ایک نظم ہے اُس میں ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چل رہا ہے ایک شے اس کے اختیار میں رب کریم نے دی ہے اور وہ ہے قرب الٰہی اگر تو یہ اپنے تمام احساسات کو جمع کر کے یہ فیصلہ کرے کہ مجھے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ تو اس کے لئے بے شمار راہیں پیدا فرما دیتا ہے رب کریم اور خود اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے پھر اس راستے پہ چلنا اس کے لئے آسان کر دیتا ہے لیکن یہ فیصلہ بہرحال اسی کو کرنا ہے۔ اس طرح انسانی زندگی کے لئے بھی بے شمار آسانیاں رب کریم نے پیدا کی ہیں۔

اور انسان جانتا بھی نہیں کہ ایک ایک انسان کی تربیت کے لئے اس کارگہہ حیات میں کہاں کہاں عمل ہوتا ہے اسی طرح انسان کی اصلاح کے عمل کو اس سے

زیادہ حسین ترین بنایا ہے رب کریم نے اور اتنا ہمدرد سورج یا چاند یا ہوا یا بادل نہیں ہے انسان کا جتنا ہمدرد روحانی معالج کو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور خصوصاً آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے بنادیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لئے تو رؤف الرحیم ہیں ہی، عام انسانیت کا درد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اتنا ہے کہ جنھیں ایمان نصیب نہیں ہوتا یا جو اپنے لئے ایمان پسند نہیں کرتے اُن کا درد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اتنی شدت سے محسوس ہوتا تھا کہ خداوند عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ دیا اور اس قدر پریشان ہونے سے منع فرمادیا۔

اسی موضوع پہ ان آیات کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

تلک آیات الکتاب المبین۔ بہت بڑی دلیل حق کی اللہ کی اس واضح کتاب کی آیات ہیں یہ دنیا میں اپنی مثال آپ ہے ہر موضوع پہ بات کرتی ہے۔ اور بلا تکان بات کرتی ہے اور بلا تکلف بات کرتی ہے اور جو بات بھی کرتی ہے وہ اتنی واضح ہوتی ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور جو فرمادیتی ہے وہ حرف آخر ہوتا ہے کبھی کوئی انسان اس سے بڑھ کر اعلیٰ بات اس موضوع پہ نہیں کرسکتا۔

یعنی رب کریم فرماتے ہیں کہ میں نے انسانی ہدایت کے لئے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ انسان کو صرف اور صرف ایک فیصلہ کرنا ہے بس اس سے آگے اُس کے لئے عمل کی راہیں اتنی آسان ہیں کہ جس سے زیادہ آسانی کا تصور نہیں ہوسکتا کہ کوئی بات پوچھنا چاہیں تو خود رب کریم کا کلام خود اس کے پاس موجود ہے۔ جو سہل ترین اور آسان ترین اور حسین ترین راستہ بتادیتا ہے اور پھر اس کتاب کو لانے والا رسول اتنا کریم ہے فرمایا۔

لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین

کہ لوگ کیوں اتباع رسالت کا اور قرآن کو قبول کرنے کا فیصلہ نہیں کرتے لوگوں کی اس کاہلی پہ اس غلط سوچ پہ لوگوں کی اس نالائقی پہ فرمایا میرے حبیب اتنا دکھ ہوتا ہے آپ کو گویا اس دکھ سے آپ ہلاک ہی ہوجائیں معاذ اللہ۔ یعنی وہی دکھ آپ کی زندگی کے خاتمے کا سبب بن جائے۔ اس قدر تکلیف اس قدر کوفت محسوس کرتا ہے آپ کا قلب اطہر لعلک باخع نفسک کہ آپ اپنے آپ کو بالکل ختم ہی کرلیں۔

ان لا یکونوا مومنین لوگ انسانیت کیلئے ایک چھوٹی سی بات ہے انسان کے لئے کہ وہ اپنے ماحول کو اپنی ذات کو اپنے وجود کو اپنے سے پہلوں کو اپنے سے بعد میں آنے والوں کو اپنے ذاتی اثرات کو ساری بات کو سوچے اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ مجھے کس سمت کو چلنا ہے۔ جس طرح ایک درخت پہ بے شمار پتے ہیں ہر پتا اپنے وجود میں ایک کارخانہ ہے اسی طرح روئے زمین

یہ بے شمار افراد انسانیت کے ہیں لیکن کوئی فرد بھی انسانیت سے جدا نہیں ہے اسی درخت کا ایک پتا ہے جڑ ہے تنا ہے یا شاخ ہے۔ ہر شخص کی اپنی ایک حیثیت ہے اُس حیثیت میں اُسے فیصلہ یہ کرنا ہے کہ مجھے اس وجود کو جس کا میں حصہ ہوں تعمیر کرنا ہے یا تباہ کرنا ہے۔ اگر تو وہ اس کی تعمیر چاہتا ہے تو فرمایا انسانیت کی تعمیر کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کی طرف اپنا رُخ کرے اور انعامات باری کو حاصل کرے جڑ کی طرح انعامات باری یہ مجاہدہ کرے پتے کی طرح اور پورے شجرہ انسانیت کی تقویت کا اور غذا کا سبب بنے۔

اور اگر اس نے غلط فیصلہ کر لیا تو صرف اس کا اپنا وجود ضائع نہیں ہوگا جہاں تک اس کے اثرات پہنچ رہے ہوں گے وہاں تک تباہ ہوتے چلے جائیں گے شاخیں پتے ٹہنیاں۔ تو اس کا جو یہ منفی فیصلہ ہے فرمایا میرا نبی اتنا کریم ہے کہ ایک ایک فرد کے منفی فیصلے پہ آپ کو انتہائی دُکھ ہوتا ہے۔

یہ مثال ہے کہ کسی کو اتنی تکلیف ہوئی کہ شاید وہ اسی کے باعث ختم ہو جاتا یا اسی کے باعث اس کی زندگی تمام ہو جاتی مثال کے طور پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اتنا دُکھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محسوس فرماتے تھے جو کسی بھی انسان کو ختم کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کیوں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تعمیر انسانیت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں کامل ترین انسان ہیں کوئی آپ کا ہمسر دوسرا انسان نہیں ہے تو جب تعمیر انسانیت میں کوئی فرد بھی ادنیٰ سا رخنہ ڈالتا ہے تو اس کی چوٹ حضور کے قلب اطہر پہ محسوس ہوتی ہے۔

آپ اس طرح سے اندازہ کر لیں کہ ہم اس ادارے کی یا اس مسجد کی عمارت کی تعمیر کے خواہاں ہیں تو کوئی شخص اس میں سے کوئی ایک سیمنٹ کی روڑی بھی اُکھاڑے کسی کونے سے تو اس ایک اتنی سی روڑی کے اُکھیڑنے سے عمارت ساری نہیں گر جاتی۔ لیکن کیا ہم سے کوئی شخص برداشت کرے گا کہ کوئی شخص ایک اینٹ کو اُکھیڑ لے جائے ہمیں تھوڑا سا دُکھ ہوتا ہے اور کسی ایک فرد کی ایک لغزش پہ آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کو زیادہ دُکھ ہوتا ہے کیونکہ عمارت میں اور انسانیت میں بہت فاصلہ ہے اینٹوں کی ایک عمارت میں جسے ہم نے نماز کے لئے یاد الٰہی کے لئے عبادت کے لئے تعمیر کیا ہے اس میں اور انسانیت کی عمارت میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔ تو جب بھی کوئی شخص ایک اینٹ اس عمارت سے سرکانا چاہتا ہے جسے آپ انسانیت کا نام دیتے ہیں تو آپ اندازہ کریں اس مثال کو سامنے رکھ کر کہ واقعی کتنی چوٹ پڑتی ہو گی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر۔

اس کی تعمیر یا تخریب شے کیا ہے اس کی تعمیر شروع ہوتی ہے ایمان لانے سے، ایمان کیا ہے؟

اس بات کا اقرار ہے کہ خدایا میں اس شجر میں اپنی حیثیت اپنے حصے کی تعمیر کروں گا اُس کے لئے کیا کیا ضرورت ہے ماجاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اس تعمیر کے مختلف طریقے ہیں۔ کوئی اینٹ ناپ تول کر سیدھی اندازے سے ٹھیک جگہ پہ لگاتا ہے پھر اُسے اس کی ضرورت کے مطابق گارا یا سمینٹ وغیرہ لگاتا ہے پھر اُسی حسن اسی اندازے سے لپائی کرتا ہے دوسرا صرف تعمیر کرتا ہے لیکن اینٹ کو ٹیڑھا لگا دیتا ہے اس پر سمینٹ زیادہ تھوپ دیتا ہے یا گارا کم لگا دیتا ہے یا اس پہ لپائی یا سفیدی درست نہیں کرتا تو یہ جو بے ربط اینٹوں سے عمارت بنے گی وہ دیکھنے والے کو پسند ہوگی؟ یعنی تعمیر میں صرف تعمیر ہی نہیں ہوتی۔ تعمیر میں ایک ترتیب ایک حسن ایک اندازہ جو اس تعمیر کو بھی خوبصورتی اور حسن عطا کردے وہ ضروری ہوتا ہے اور یہی حسن تعمیر ہے آداب و اخلاقیات عبادات کے اوقات اور اُن کی تمیز، کام کے کرنے کا ایک وقت اور سلیقہ ایک اندازہ۔ یعنی ہر انداز میں اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تعمیر انسانیت کا ایک معیار ہے۔

اور اسلام محض انسانوں کی بھیڑ کا نام نہیں ہے کہ بے شمار لوگ جمع کر لئے اور وہ نعرہ لگائیں ہم خدا کو بھی مانتے ہیں ہم رسول کو بھی مانتے ہیں۔ نہیں لوگ تھوڑے بھی ہوں لیکن اُن کے ایمان میں ایک حسن ہو ایک سلیقہ ہو ان کے عمل میں ایک حسن ہو ایک سلیقہ ہو اُن کے سونے جاگنے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں ایک انداز ہو ایک ربط ہو ایک سلیقہ ہو حتیٰ کہ اُن کے لڑنے اُن کے مرنے کا بھی ایک انداز ہو۔ اسی کو حسن اسلام کہتے ہیں انسان سے مطلوب یہ ہے محض انسانوں کی بھیڑ مطلوب نہیں ہے کہ بے شمار لوگ جمع ہو جائیں اور وہ سب کہیں جی زندہ باد زندہ باد ہم آپ کے ساتھ متفق ہیں متحد ہیں ہم وہ بات مانتے ہیں آپ جو منواتے ہیں ہم اُس پہ تیار ہیں یہ مقصود نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی میں اس کے دعوے میں اُس کے عمل میں اس کے قول میں ایک حسن ایک ترتیب ایک ربط آجائے۔

اور تصوف کیا ہے تصوف ہے اسلام کی حسین ترین صورت کو اپنانے کے لئے مجاہدہ کرنا محنت کرنا اور کوشش کرنا۔ تو اس لحاظ سے آپ حضرات کی ذمہ داری عام مسلمان سے بڑھ جاتی ہے۔ جس طرح مسلمان نے تعمیر انسانیت کا وعدہ کیا ہے تو اُس کی ذمہ داری غیر مسلم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے کیونکہ غیر مسلم تو پہلے ہی تخریب میں لگا ہوا ہے اور یہ تعمیر کا مدعی ہے تو اس کی ذمہ داری کتنی زیادہ ہوگی۔

پھر مسلمانوں میں سے جو لوگ حسن اسلام کے مدعی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس چیز کے کمال کو پائیں تو انہیں اپنی پوری زندگی اپنی سوچ اپنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سونا جاگنا اس سب کے لئے ایک فکر چاہیے ایک سوچ چاہیے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا یہ اس کام کے کرنے کا حسین انداز ہے یعنی صوفی کو جائز سے ذرہ اوپر سوچنا پڑتا ہے ایک ہوتا ہے کسی بھی کام

کے کرنے کا جائز طریقہ لیکن اس جائز میں بھی سنت نبوی
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ سے زیادہ قریب
تر سلیقہ جو ہے وہ صوفی کو سیکھنا پڑتا ہے صوفی کے ہر فعل
میں ایک انداز ہو سو رہا ہو تو واقعی سو رہا ہو اور جب
جاگ رہا ہو تو واقعی جاگ رہا ہو یہ نہ ہو کہ سوتے میں تڑپ
رہا ہو اور جاگتے میں اونگھ رہا ہو یہ کام کا حسن نہیں ہے

تمام اخلاق کی ترتیب

اسی کا اہتمام ہے یہ نہ ہو کہ لوگ تکبیر کے لئے کھڑے
ہوں اور یہ وضو کے لئے جا رہا ہو، لوگ وضو کر رہے ہوں
اور یہ کھانا کھا رہا ہو یہ نہ ہو بلکہ پوری زندگی میں ایک
حسن ترتیب آجائے ایک انداز آجائے۔

دیکھئے جس طرح مشین کے کل پرزے میں ہر پرزہ اپنی
اپنی جگہ پر اپنے انداز کی حرکت کر رہا ہوتا ہے کہیں سے ایک
چھوٹا سا پرزہ حرکت کو خراب کر دے فیل ہو جائے یا رک جائے
یا اپنی رفتار کم کر دے تو پوری اس مشین کی کارکردگی کو
وہ متاثر کرتا ہے۔

اسی طرح سے کسی بھی جماعت کسی بھی سکول آف
تھاٹ میں سے ایک فرد بھی اگر سلب ہوتا ہے وہ اپنی رفتار
چھوڑ کر کم کر دیتا ہے یا کچھ تیزی دکھانے کی کوشش کرتا ہے
تو کسی طرح بھی جب وہ ترتیب کو توڑے گا تو وہ اس
پوری کام گہہ کو پورے کارخانے کو توڑنے کا ذمہ دار
گردانا جائے گا۔

اور یاد رکھیں کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کوئی
بہت بڑا گناہ کرے بعض اوقات تو بہت بڑے گناہ بھی
رب کریم معاف فرما دیتے ہیں لیکن خرابی جو پیدا
ہوتی ہے وہ چھوٹی سی بات سے بھی پیدا ہو جاتی ہے
تھوڑی سی بات سے بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے جو
پوری اس مشین کے لئے خطرے کا سبب بن جاتی
ہے محض ایک شخص کا اوقات کی ترتیب کا مدنظر نہ رکھنا
بھی بعض اوقات تباہی کا سبب بن جاتا ہے اور پھر یاد
رکھیں اس میں اور باقی مشینوں میں ایک فرق ہے۔
کہ باقی مشینیں متاثر ہونے پر مجبور ہیں یہاں فرق یہ ہے
کہ اللہ کریم نے ہر ہر فرد کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے
اگر دو کر سارے مخلص ہیں ایک شخص ان میں
خرابی کرتا ہے تو خداوند عالم مخلصین کو ضائع نہیں
کرتے بلکہ سارا نقصان ہی اس ایک پہ گرا دیا جاتا ہے
اور وہ قادر ہے۔

علیٰ ان یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہٗ
وہ ایسا نگہبان ہے کہ اس پوری مشین کو تباہی سے
بچانے کے لئے اس پرزے کو تبدیل کر دیتا ہے فوراً۔
جیسا کہ ارشاد ہے۔ علیٰ ان یاتی اللہ بقوم یحبونھم
ویحبونہٗ زبایا من حیث القوم اگر کوئی قوم نافرمانی
شروع کر دے تو خداوند عالم پوری قوم کی جگہ کوئی دوسری
قوم لے آتا ہے جب مسلمانوں نے بدکاریاں کیں دین سے
دور ہوئے
مسلمان فرقہ بازی میں ملوث ہوئے عیاشی میں ملوث ہوئے
شراب وکباب اور چنگ و رباب میں محو ہو گئے تو خداوند عالم
نے فتنہ تاتار کو ان پہ مسلط کر دیا اور ان تاتاریوں نے

اتنا خون بہایا مسلمانوں کا کہ تاریخ کے اوراق سے آج بھی خون ٹپکتا ہے۔ لیکن خود اسلام کے لیئے خداوند عالم نے اُنہیں تاتاریوں کے سینے کھول دیئے۔ ؎

اور پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسلام کا نقصان تو ہوا وہی تاتاری جو عالم اسلام کو تہ و بالا کر گئے تھے وہی جا کر بیت اللہ میں اذانیں دینے اور طواف کرنے پر خدا نے مقرر کر دیئے۔

آپ آج دیکھ لیں کہ یہ مسلمانوں کی شامت اعمال ہے کہ کروڑوں مسلمان پراگندہ ہیں اور چند لاکھ یہودی قبلہ اول پر مسلط ہیں ہزاروں برسوں کا قبلہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ اول اور چند لاکھ یہودی اُس پر قابض ہیں جس کے گرد اگرد کروڑوں مسلمان بستے ہیں یہ مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی، اور جیسے آپ کہہ لیں بے ترتیبی اور کارکردگی میں بے ربطگی جو بھی ہے اس کا نتیجہ ہے۔ لیکن کیا ان مقدس مقامات پر ہمیشہ یہود قابض رہیں گے یہ ممکن نہیں۔ خدا خبر کس لمحے کا انتظار ہے اور کس کے حصے میں یہ سعادت آتی ہے یہود کے لئے یہ بات ہے ہی نہیں ان کے نصیب میں کہ وہ ایسے مقدس مقامات پر قابض رہیں۔ اور جب ایسے لوگوں کا قبضہ آئے گا تو معاذ اللہ وہی وقت ہوگا قیامت کا اور دنیا کی تباہی کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک یہودی ہوگا لنگڑا سا ٹیڑھی ٹانگوں والا وہ حرم کعبہ پر قابض ہو کر حرم شریف کو تباہ کر دے گا اور وہی وقت ہوگا جب دنیا سے اللہ کی یاد اُٹھ جائے گی حج موقوف ہوگا تو عبادات موقوف ہو جائیں گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

اب ہم اس بہت بڑی بات کو سُنکر یہ سمجھ لیں کہ یہ بہت بڑے بڑے لوگوں کا قصور ہے حکومتوں کا قصور ہے اور اُمراء کا قصور ہے وہ ذمہ دار ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے ہم میں سے جو شخص وضو کرتے وقت ترک سُنت کا سبب بنتا ہے اس کا بھی اس میں حصہ ہے۔ جو شخص اپنی زندگی دن بھر کی مصروفیات میں جہاں جہاں ترک سنت کرتا ہے اس کا بھی اتنا حصہ ہے عالم اسلام پر وبال لانے میں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کا تھوڑا ہے کسی کا زیادہ اور کسی کا اُس سے زیادہ اور کسی کا اس سے بھی زیادہ ہے جتنی جس کی حیثیت ہے اور جہاں تک اثرات پڑتے ہیں وہ ایک اینٹ لگانے والا بھی ذمہ دار نہیں گردانا جائے گا اسی طرح سے ہمارے یہ روزمرہ کے معمولات جو ہیں جنہیں ہم تھوڑا سا کام سمجھتے ہیں جیسے ابھی حاجی صاحب کہہ رہے تھے کہ باہر مت جایئے درس کا وقت ہے درس سُنیئے۔ بعض اوقات انسان بے بس ہو جاتا ہے بعض جسمانی مجبوریاں کسی بیماری سے یہ اور بات ہے لیکن محض ایک ترتیب کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ایک شخص کا منہ اُٹھا کے چل دینا یہ بجائے خود ایک ایسی خرابی ہے جو اس تعمیر میں ٹیڑھی ٹیڑھی اینٹوں کی صورت میں نظر آتی ہے یعنی بغیر کسی مجبوری کے محض اہمیت ترتیب کو نہ دیتے ہوئے کوئی چھوٹا سا کام بھی کر لینا۔

یہاں اس چھوٹی سی خرابی سے ایک بہت بڑی خرابی جنم لے گی یہ جو ایک اینٹ ٹیڑھی ہوگی اس سے اوپر پانچ

سات انیٹیں بدنما ہوتی چلی جائیں گی۔

۱ تو یہ حصول سلوک و تصوف کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس تعمیرِ انسانیت میں ہمارے ہاتھ سے جو گارا لگے ہمارے ہاتھ سے جو روڑہ لگے ہمارے ہاتھ سے جو اس میں تعمیر ہو تھوڑی یا زیادہ۔ جو بھی ہو جتنی بھی ہو وہ مضبوط بھی ہو حسین بھی ہو۔ تو اس کے لئے انسان کو بے شمار کوشش کرنی پڑتی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدہ یا جہاد اور قرآن کریم نے اس کو جہاد کا نام دیا ہے۔

جہاد کیا ہے اپنی بہترین کوشش کرنا تعمیر انسانیت کے لئے۔ اگر کافر تخریب پہ لگے ہیں اور وہاں تلوار سے روکنے کی ضرورت ہے تو وہاں لڑنا جہاد ہے۔

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ اس جہاد سے واپسی پر جب آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کافر کے ساتھ میدان جنگ میں جاکر لڑنا چھوٹا جہاد تھا آدمی وقتی جوش میں جذبے میں مقابلہ کر لیتا ہے لیکن واپس اپنی جگہ پہ آکر اپنے پورے دن اور رات کو اپنے حسن ترتیب میں پروئے رکھنا یہ جہاد اکبر ہے۔ اپنی نشست و برخاست کی نگرانی کرنا اپنے بولنے اور بات کرنے کے انداز کی نگرانی کرنا اپنے کھانے پینے سونے جاگنے کے اوقات کی نگرانی کرنا اپنی ہر ادا کو ٹھوک ٹھاک کر سنت کے فریم میں فٹ رکھنا حضور فرماتے ہیں یہ تو جہاد اکبر ہے کہ ہر گھڑی انسان مجاہدے میں جہد میں اور کوشش میں لگا ہوا ہے تو اسی جہاد اکبر کا نام تصوف۔ لیکن اس میں ایک سہولت ہے۔ بہت بڑی سہولت۔

آپ کو ہم کو صرف فیصلہ کرنا ہے جب ہمارے فیصلے میں قوت اور خلوص ہوگا تو اگلا سارا کام اللہ کریم آسان فرماتے چلے جائیں گے اور ایک ایک آدمی سے وہ کام انجام پاتے ہیں جنھیں مجبور ہو کہ لوگ پھر کرامت کہہ دیتے ہیں معجزہ یا کرامت کیا ہوتا ہے اتنا عظیم کام جو عقل کو عاجز کر دے جو عادت سے بہت بڑھ کر اعلیٰ ہو خرق عادت ہو وہاں عادی طور پہ عام معیار کے مطابق کوئی انسان پورا نہ اتر سکے اتنا حسن ترتیب کوئی نہ دے سکے۔ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی پریشانی کو دیکھ کر اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے حبیب اگر ان سب کو پکڑ کر زبردستی ایک ترتیب پہ قائم رکھنا چاہتا تو کسی کی جرأت نہیں تھی کہ کوئی سر کتا۔ کوئی ایسی نشانی نازل کر دی جاتی جس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ کوئی ایک چھوٹی سی بات مقرر کر دی جاتی مثلاً جو بہانے سے اطاعت کو چھوڑے گا وہاں سے اسے کھانسی شروع ہو جائے گی اور تب تک ٹھیک نہیں ہوگی جب تک توبہ نہیں کرے گا۔ تو اتنی چھوٹی سی کھانسی میں رہنا کوئی پسند نہیں کرتا۔ کسی چھوٹی سی بات کو مسلط کر دیا جاتا تو اللہ کریم فرماتے ہیں اس میں پھر انسان کی طرف سے کیا ہوتا منشا تو یہ تھا کہ میں نے اتنی حسین تخلیق کی ہے اور اسے

اتنا شعور بخشا اتنا خزانہ انڈیل دیا ہے اُس کے سینے میں کہ میری ذات تک کی طلب اپنے دل میں پیدا کر سکتا ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق میری ذات کی معرفت کو حاصل کر سکتا ہے۔ تو جب میں نے اسے اتنی عظمت اتنا شعور اور اتنا وسیع ظرف دیا ہے تو اس پر بھی چھوڑ کر دیکھو تو سہی یہ اعلیٰ ظرف میں رکھتا کیا ہے جانتا کیا ہے جس ظرف میں جس شیشے میں جس آئینے میں تجلیات باری منعکس ہو سکتی ہیں یہ اس آئینے کو کس تانک جھانک پہ صرف کرتا ہے اور کس بات پر اس کو بیچ دیتا ہے بس یہ دیکھنا مقصود ہے۔ فرمایا میرے حبیب مجھے یہ دیکھ لینے دے تو ان کے لیے اس قدر پریشان نہ ہو۔ یعنی بات تو ہو رہی ہے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے حبیبؐ تو اس قدر دل شکن کیوں ہے اس قدر تیری طبیعت رنجیدہ نہ ہو کہ اتنا دکھ ہے تیرے دل میں لوگوں کے ایمان قبول نہ کرنے پر تیرا قلب اتنا مضطرب ہے اتنا دھڑکتا ہے کہ گویا پھٹ ہی نہ جائے تو فرماتے ہیں میرے حبیب سب کو پکڑ کر اگر میرے دروازے پہ کھڑا کرنا ہوتا تو کوئی دوسری طرف دیکھ بھی نہ سکتا لیکن منشا باری یہ ہے کہ انہیں بھی تو آزماؤ یہ کس ملت پہ بکتے ہیں۔ میرے حبیب مجھے یہ دیکھ لینے دو جتنے لوگ تباہی کی طرف جا رہے ہیں فرمایا جن کا آپ کو دکھ محسوس ہو رہا ہے۔ وما یاتیھم من ذکر من الرحمٰن ... الا کانوا

فرمایا اس میں اصل بات یہ ہے کہ اللہ جو بہت وسیع الرحمت ہے جس کی رحمت ناپیدا کنار ہے جو رحمٰن ہے اس کی طرف سے جب کوئی بات آتی ہے تو یہ اس کی طرف رُخ نہیں کرتے یہ اپنا رُخ دوسری طرف کر لیتے ہیں یعنی ذات باری کی طرف انہوں نے اپنا رُخ درست نہیں کیا اور آپ کے دل میں اتنا دُکھ ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ سب کو پلٹا کر ذاتِ باری کی طرف کر دیا جائے۔ فرمایا میرے حبیب اگر تیری بات پوری کی جائے تو اس میں ان کا کیا دخل رہا پھر انہیں اجر کس بات کا ملے گا۔ تو اتنی سی بات فرمائی۔ ان کو ان کے حال پہ رہنے دو یعنی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پہ مدار ہوتا تو دنیا میں کوئی شخص کفر پہ باقی نہ رہتا۔

تو اللہ کریم نے فرمایا اس طرح تو پھر آزمائش امتحان اور ابتلاء ختم ہو جائے گا تو میرے حبیب تو اپنے دل کو سمجھا اور صرف اتنی سی بات مجھے دیکھ لینے دے کہ کون اپنی پسند سے تیری طرف رُخ کرتا ہے اور اس رُخ کرنے میں ایک تو یہ ہے کہ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ الحمد للہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں پھر اور تھوڑا سا اس سمت کو درست کرو تو بات آئے گی کہ کم از کم ہم فرائض نہیں چھوڑیں گے یعنی اگر صرف اسلام قبول کیا اور فرائض تک نہ پہنچا تو ایک ٹیڑھی میڑھی سی اینٹ رکھی ہوئی اس نے اب اس کا رُخ اور درست کرتا ہے تو وہ کیا ہے کم از کم فرائض نہیں چھوڑوں گا گویا اس نے اس اینٹ کو اس دھاگے کی سیدھ میں کر لیا۔ اب نری اینٹ تو اس عمارت میں درکار نہیں ہے اس کی مضبوطی پختگی اس کے ساتھ سیمنٹ پھر اس پر پلائی اور پھر اس پہ

سفیدی اور پھر اس سفیدی کی صفائی چھینٹوں سے اس کو بچانا اس کو مختلف طرح کے گرد سے میلا کر دینے والی چیزوں سے بچانا کیا یہ سب کچھ اس میں شامل نہیں ہے۔

تو اس کا حسن یہ ہے کہ آپ اُس کو درست کریں۔ پھر اس کو مضبوط کریں پھر اس پہ سمینٹ کریں پھر چُونا یا رنگ لگائیں اور پھر تادمِ والپسیں اس کی چمک دمک کو قائم بھی رکھیں۔ تو اس کے لئے ہمیں اس کی ہر آن نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ کہ کوئی اُسے بدصورت نہ کردے۔ کہیں سے وہ بگڑ نہ جائے کہیں سے اس کا رنگ نہ اُتر جائے۔ کہیں سے اس کا سمینٹ نہ اُتر جائے۔

تو یہی حسنِ ترتیب ہے جو آپ دن بھر کرتے ہیں اب آپ کا دن شروع ہوا۔ الحمدللہ اللہ کا احسان ہے کہ سحری کو خدا کی عبادت نصیب ہوئی اللہ کا ذکر نصیب ہوا اللہ کے حضور فرائض ادا کئے اللہ کا کلام سُنا۔ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی باتیں سُنیں۔

اب جُوں جُوں سورج اُوپر آتا جائے گا آپ کے ہر کام میں ایک ربط ایک حسنِ اتباعِ سنت کا نظر آتا چلا جائے گا۔ اور جب سورج غروب ہو تو یہ بات اپنے ساتھ لے جا رہا ہو کہ میں نے کچھ لوگوں کو اس طرح تعمیر میں منہمک دیکھا ہے جس طرح اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لہٰذا اس مجاہدے کا اس کوشش کا نام تصوف و سلوک ہے اور اس میں دو ذرائع ہیں ایک تعلیمات نبوی جو آپ تک پہنچ رہی ہیں اور کیفیات صحبت نبوی جو بحمد اللہ آپ کو نصیب ہیں تو اتنے بڑے ذرائع ہونے کے بعد اگر ہم لا پرواہی کریں۔ تھوڑا سا اس میں بے ترتیبی لانا شروع کر دیں تو ہم اور آپ یہ اندازہ ضرور کر لیجئے گا کہ یہ کتنا عظیم جُرم ہوگا ـــ اگر اس پر گرفت ہو گئی تو کس کے پاس جان بچانے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

جس پہ میدان حشر میں سوال ہو گیا وہ دوزخ میں ضرور جائے گا یہ اور بات ہے کہ اللہ کریم کسی کے کروڑوں گناہوں کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ بھی تُو نے کیا یہ بھی تو نے کیا۔ اچھا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ لیکن کسی ایک بات پہ حضور فرماتے ہیں یہ کہہ دیا کہ تو نے یہ کیوں کیا تو وہ شخص ضرور دوزخ میں جائے گا۔

اتنی رحمت ہے اللہ کی کہ انسان کے پاس گناہ کے جواز کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے ادنیٰ سی لغزش کا جواز اس کے پاس نہیں ہے آپ اندازہ کر لیں کتنی آسانیاں رب کریم نے دی ہیں۔

لہٰذا میرے بھائی اپنے اوقات کی حفاظت کیجئے۔ ہر کام کا ایک ربط ہے ایک ترتیب ہے ایک طریقہ ہے اور اس ترتیب میں اگر کسی شخص کو کوئی عارضہ ہے وہ اس میں نہیں چل سکتا تو متعلقہ شخص کو اس سے آگاہ کرے اور اپنے لئے اپنی حیثیت کے مطابق کوئی آسانی حاصل کرے یہ نہ ہو کہ بغیر کسی کو بتائے کسی کے علم کے ایک شخص اور کر رہا ہو اور دوسرا کوئی اور کر رہا ہو۔

خداوند کریم حاضر و غائب تمام احباب کو صحیح توفیق عمل نصیب فرمائے اور سب کی محنتوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وفیات

۱۔ ہمارے ایک رفیق سراج احمد رفعت صاحب کے والد ماجد صاحب رحلت فرما گئے ہیں۔

۲۔ اسی طرح ہمارے ایک دیرینہ رفیق حکیم عبدالرحیم صاحب بہاولپور والے رحلت فرما گئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

احباب سے التماس ہے کہ ان دونوں حضرات کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیں۔

(ادارہ)

تاثرات

سفر حرمین شریفین

از مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ، ۶ جنوری ۸۶ء ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

اس بار عمرہ کا پروگرام جنوری میں بنا۔ اور بحمد اللہ ۱۵ احباب اس عاجز کے ہمراہ راہی حجاز ہوئے۔ ۳۰ دسمبر کو کراچی پہنچنا تھا سو گھر سے نکل کر ۱۱ بجے کے جہاز سے اسلام آباد سے روانہ ہو کر دوپہر کراچی پہنچ گیا ساتھ دو احباب تھے ناظم اعلیٰ اور کراچی کے ساتھی ہوائی اڈے پہ منتظر تھے۔

جناب امیر حلقہ کراچی کے دولت کدہ پہ ٹھہرے مگر ٹھہرنے کا لفظ صرف کہنے کے لئے ہے ورنہ بفضل اللہ ہر آن اور ہر گھڑی کام تو چلتا ہی نظر آتا ہے اور یہ اس ذات کریم کی بندہ پروری ہے وہ قادر ہے جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔

بہت مصروف وقت گذرا مختلف مساجد میں بیان مجالس ذکر اور احباب کی آمد و رفت، ملاقات اور بات چیت غرض ایک میلہ تھا جو صرف اس ذات اقدس کے نام پر اس کی یاد میں اس کی طلب میں لگا رہا۔ ایک رونق تھی جو مقصد حیات ہے ایک مشن جو اس ناکارہ کے پاس امانت ہے ایک یاد جو زندگی ہے اور ایک عشق جو کسی کسی کو عطا ہے۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ!

کل ۵ جنوری علی الصبح غسل کیا اور احرام باندھا۔ مگر یوں کہ دل کی نگاہ اس منظر پہ تھی جب بدن میں حرکت کی جرأت ہوگی نہ غسل کرنے کی استطاعت، نہ لباس کی پسند کا اختیار اور نہ تبدیل کرنے کی قدرت ہوگی تب بھی یہی دو چادریں آج اپنی پسند سے خریدیں اور اپنے ہاتھوں پہنیں کل خدا جانے کیا ہو۔ نوافل پڑھے تو احباب بھی لباس بدل کر احرام کی حالت میں جمع ہو گئے تھوڑی دیر ذکر کیا دعا ہوئی اور اللہ کے نام پر روانہ ہوئے دس بارہ موٹریں ہوں گی باقی احباب سیدھے ہوائی اڈے چلے گئے تھے غرض سعودیہ کے جہاز سے صبح ۹ بجے روانہ ہوگئے ایک پنجابی ماہیا ہے۔

"اُڈ دا جہاز آیا۔ لمیاں سڑکاں سنگ ماہیئے دا یاد آیا"

مفہوم ہے کہ طویل سفر ہے اور وہ وقت یاد آ رہا ہے جب یہ سفر محبوب کے ساتھ کیا تھا۔

کچھ حال ایسا ہی تھا۔ حضرت استاذ المکرم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلے حج کا سفر یاد آیا۔ ایسا ہی بڑا جہاز تھا اور انہی راستوں پر محو پرواز۔ اللہ کریم ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی محنت پہ تا ابد پھل آتا رہے آمین

مجھ جیسے ناکارہ کو اس راہ پہ انہوں نے ہی ڈالا۔ ورنہ اپنی خاک تو نہ جانے کہاں خوار ہوتی، گذرے لمحے اور بیتی باتیں ایک ایک کر کے یاد آتی رہیں اور آتش دروں کو سرد کرنے کی ناکام کوشش میں نہ جانے کتنی بار آنکھوں نے آنسو برسائے۔

جہاز کچھ دیر ریاض میں رکا تو سب مسافر اتر گئے ہمیں بھی وہاں چیکنگ کے لئے جانا پڑا امیگریشن ہوا اور دخول لگایا گیا مگر انتہائی آرام اور لطف سے کوئی دقت پیش نہ آئی بلکہ فائدہ یہ ہوا کر جدہ جا کر کچھ نہ کرنا پڑا۔ اپنا سامان وصول کیا اور ظہر کی نماز ادا کی کسٹم والوں نے اجازت دی اور باہر چلے گئے۔

باہر احباب منتظر تھے جدہ کے مقامی ساتھی ریاض اور تبوک سے آئے ہوئے ساتھی کچھ عرب کے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے گاڑیاں لائی گئیں اور امیر حلقہ صاحب کے گھر پہنچے۔ چائے کے بعد سب یہاں والوں نے بھی احرام باندھے اور موٹروں کا قافلہ مکہ مکرمہ کو چل دیا۔

یہاں آدمی ایک سال بعد آئے تو بہت کچھ بدلا ہوا ملتا ہے شہر ہی کو دیکھیں تو جدہ بہت دور تک پھیل چکا ہے جدید عمارتیں نئی سڑکیں اور کاروں کا سیلاب۔ سب کچھ بہت تیزی سے تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ ہم عصر پڑھ کر روانہ ہوئے اور مغرب سے کافی پہلے مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ پہنچ گئے نگاہیں بلند و بالا مسجد کی بلائیں لے رہی تھیں بصد عجز و نیاز اندر داخل ہوئے اور جیسے بیت اللہ شریف پہ نگاہ پڑی قدم رک گئے۔ ہزاروں دعائیں سب یہ تھیں اور شکر کے آنسو دوستوں کی درخواستیں ان کی مرضی کے مطابق اور دوستوں کے لئے دعائیں اپنی پسند سے دین کی عظمت اور ترقی کی کوششوں کے لئے ملک کی سلامتی اور قوم کی ہدایت کے لئے اس ہستی کی ترقی درجات کی دعائیں جس نے زندگی کو لذت سے آشنا فرمایا۔ اعزہ و اقارب کے لئے اور سارے عالم اسلام کے لئے مجاہدین اسلام کے لئے غرض بے حد و بے حساب دعائیں کہ یہ قبلہ ہے اور یہی ایک دروازہ جہاں سے سب کچھ مانگا جا سکتا ہے جہاں سے سب کچھ ملتا ہے۔

لرزتے قدموں طواف شروع کیا یہاں کویت سے آئے ہوئے احباب منتظر تھے وہ بھی شامل ہو گئے مکہ مکرمہ کے مقامی ساتھی مل گئے سب نے طواف کیا زمزم سے جگر ٹھنڈا کیا اور صفا مروہ کی سعی کے درمیان مغرب کی اذان ہو گئی اور نماز میں شامل ہو گئے۔ باقی سعی بعد از نماز پوری کی قصر کیا اور حلال ہو گئے بحمد اللہ ایک عمرہ ادا ہو گیا تو موذن کی جگہ کے سامنے آ بیٹھے یہ جگہ ساتھیوں کو بھی معلوم ہے یہاں سب جمع ہو جاتے ہیں عشا تک ذکر اذکار اور ملاقات وغیرہ رہی کچھ احباب کو وہیں بیعت کا شرف نصیب ہوا اللہ کے گھر میں اللہ کی اطاعت کا عہد کیا اور نماز کے بعد روانہ ہو کر جدہ پہنچے یہاں رات کا قیام تھا۔

۷ر جنوری ۲۶ء رات:

صبح جدہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے ۸ بجے جہاز اڑا اور ایک گھنٹے میں مدینہ منورہ کی پر نور اور پر لطف خنک

ہوا دلوں کو لوریاں دے رہی تھی۔ مدینہ منورہ کیا ہے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آئیند ابوبکرؓ و عمرؓ اینجا

یہاں اللہ کے آخری نبی اور تمام نبیوں کے امام سرور کائنات اور آقائے دوجہاں کا دربار ہے مہبط تجلیات ہے گنبد خضرا ہے روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہاں جنت البقیع ہے جہاں خادمان رسالت اور خاندان رسالت آرام فرما ہے یہاں کا ذرہ ذرہ اپنے دامن میں ایک جلوہ پنہاں رکھتا ہے اور پتے پتے میں سرور اور ہر جھونکے میں لذت ہے میری خواہش تھی کہ کسی حد تک مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گذارشات کروں مگر یہ ایک روداد سفر ہے اور اس کا دامن اتنا وسیع نہیں ہاں یہ ضرور عرض کروں کہ دربار رسالت سے اب بھی اسی طرح نور بٹتا ہے اور رحمتیں بٹتی ہیں جیسے تب بٹتی تھیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دار دنیا میں تھے تو سارے جہاں کے نبی تھے برزخ میں جلوہ فرما ہوئے تو بھی سارے عالم کے نبی ہیں آج بھی ہدایت کے سوتے انہی کی ذات گرامی سے پھوٹتے ہیں اور جس بھی دل میں اللہ کا نور ہے انہی کے کرم سے ہے اور جس زبان پر اللہ کا نام ہے انہی کی برکت سے ہے۔ یہاں حیات نہیں بدلی مقام حیات بدلا ہے عالم بدلا ہے اس عالم میں تشریف فرما تھے تو احکام اس عالم کے تھے مثلاً کھانا پینا سونا جاگنا سفر حضر موسم وغیرہ ذالک اور اس عالم میں رونق افروز ہوئے تو احکام اس عالم کے ہیں ورنہ حیات ویسی ہی ہے جیسی دنیا میں تھی ہاں دلائل علمی درکار ہوں تو استاذی المکرم بحر العلوم حضرت العلامہ مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی "حیات[1] برزخیہ" و "حیات[2] انبیاء" اور فضائل و کمالات علمائے دیوبند کا مطالعہ کریں اور دلائل ذوقی چاہیں تو فقیر کے پاس تشریف لے آئیں۔ سلسلہ عالیہ کے اذکار شروع فرمائیں انشاء اللہ نہ صرف حیات النبی کی سمجھ آئیگی اگر رحمت باری نے دستگیری فرمائی جس کا مدار خلوص نیت پہ ہوا کرتا ہے تو انشاء اللہ فنا فی الرسول میں دست اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ بیعت کی سعادت نصیب ہوگی۔

غرض مدینہ منورہ کے ہوائی اڈے پہ یہاں کے ساتھی موٹروں کے ساتھ منتظر تھے۔ مکان لیا جا چکا تھا۔ آکر سامان اتارا۔ وضو وغیرہ تازہ کیا اور بارگاہ رسالت پناہی کی حاضری سے مشرف ہوئے۔

صلوٰۃ و سلام عرض کئے اور آپ کے طفیل آپ ہی کے زیر قدم بیٹھ کر پھر سے دعائیں کیں۔ اور ظہر ادا کر کے مکان پہ آئے جہاں کھانا تیار تھا پھر عصر تک آرام کیا کچھ احباب کو خطوط لکھے بعض ضروری اطلاعات پہنچانا مقصود تھیں اور بعض صرف اظہار محبت کی خاطر دو خط بچوں کو لکھے۔

یہاں بھی احباب پہنچنا شروع ہو گئے مگر جگہ کافی کھلی تھی پانچ چھ کمروں کا فلیٹ تھا یہاں سما گئے کچھ حضرات نے علیحدہ بھی قیام کیا پہلے سے ان کا اہتمام تھا شام کو ذکر ہوا۔ نماز عشاء حرم میں ادا کر کے آئے اور سو گئے۔

آج علی الصبح تہجد بروقت ادا کر کے مکان پر ہی ذکر کیا اور سب احباب جمع ہو گئے تھے پھر نماز کے لئے حرم میں حاضری دی اور واپس آ کر قرآن حکیم کا درس ہوا ناشتہ کے بعد کچھ دیر آرام اور پھر زیارات پہ جانے کا قصد تھا۔

تقریباً دس بجے یہاں سے روانہ ہوئے پانچ کاریں تو ساتھیوں کی تھیں ایک ٹیکسی لینا پڑی۔ مدینہ منورہ بھی بہت جدید شہر ہے کھلی اور کشادہ سڑکیں بلند و بالا خوبصورت مکان بہت بڑی بڑی دکانیں۔ اُحد کو جانے والا راستہ بھی دو رویہ اور کشادہ سڑک تھی مزارات کے پاس ایک وسیع گراؤنڈ، پارکنگ کے لئے بنا ہے مزاراتِ شہدا کے پاس کار رُکی۔

یہاں وہ خوش نصیب آرام فرما ہیں جنہوں نے اُحد کے روز جانیں نچھاور کی تھیں اور جن کو چھلنی سینوں اور پھٹے ہوئے جسموں کے ساتھ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا کر دفن کرنے کا حکم فرمایا تھا ان میں عمرو بن جموع جیسے فرزانے تھے یہ صاحب ایک ٹانگ سے معذور تھے یوم احد کے لئے تیار ہوئے تو جوان بیٹوں نے گھر ٹھہرنے کے لئے عرض کیا نہ مانے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا طلب کیے گئے۔ ارشاد ہوا عمرو تمہارے چار جوان بیٹے جہاد کے لئے جا رہے ہیں تم ٹھہر جاؤ گھروں میں بھی تو کوئی ہو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑا عرصہ اس لنگڑی ٹانگ کو شہر میں گھسیٹا ہے اب ارادہ ہے اسے جنت میں لے چلوں جب شہدا جمع کئے گئے تو کچھ لوگ شہدا کو مدینہ منورہ لے گئے اور کچھ وہیں دفن ہوئے ان کو بھی لڑکوں نے اٹھا کر اونٹ پر رکھا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اس کے کسی ساتھی کو بلاؤ کہیں اس نے کوئی دعا نہ مانگی ہو ایک صاحب جوان کے ساتھی تھے حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ کل انہوں نے مجھ سے کہا تھا تو دعا کر میں آمین کہوں گا پھر میں دعا کروں گا تو آمین کہنا۔ سو میں نے دعا کی خدایا کل میں کسی کافر کو قتل کروں اور اس کی زرہ اور تلوار پاؤں سو مجھے حاصل ہے۔ انہوں نے دعا کی تھی خدایا میں تیری راہ میں کٹ جاؤں پھر وہیں دفن کیا جاؤں اور روزِ حشر وہیں سے سینہ چاک اٹھوں۔

۲۸ رات ۹ ر جنوری ۔

لکھتے لکھتے بات ادھوری رہ گئی تھی آج پھر وہیں سے شروع کرتا ہوں کل تو فرصت ہی نہ ملی۔ ہم حضرت حمزہ رضہ کے مزار کے پاس حاضر ہوئے گاڑی پارک کی اور جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کیا یہ نئی جگہ ہے یہ دفن ہیں نئی سے مراد یہ ہے جہاں وہ میدان احد سے منتقل کئے گئے تھے یہ غالباً حضرت امیر معاویہؓ کا عہد تھا۔ ساتھ میں مزید صحابہ کرامؓ بھی دفن ہیں شہدائے احد تین حصوں میں بٹ گئے ہیں کچھ حضرات تو اول روز ہی آپؐ کی اجازت سے جنت البقیع میں دفن ہوئے اور جو احد میں دفن ہوئے ان میں سے کچھ لوگ پھر یہاں منتقل ہوئے جہاں ہم کھڑے تھے اور کچھ پہلے والی جگہ پہ رہ گئے۔ بہت مہربانی فرمائی حضرت سید الشہداؓ نے اور سب کے حق میں دعا فرمائی احباب نے عرض کیا حضرت دعا کریں اللہ کریم برزخ میں اور روزِ محشر

آپ حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ تو فرمایا "عمل صالح"
عجیب اتفاق تھا کہ صبح امام صاحب نے نماز میں جو آیات پڑھیں وہ معاملات کے بارے میں تھیں پھر درس ہُوا تو اس کا خلاصہ جو اس عاجز نے عرض کیا یہی تھا کہ اسلام عملی مذہب ہے اور زندگی کے تمام اعمال پر اللہ کے حکم کا نفاذ کرتا ہے اور یہی مفہوم حضرت ؒ کے ارشاد کا بھی تھا۔

وہاں سے رخصت ہو کر اُحد کے دامن میں گئے مگر وہ ساری جگہ مکانات میں دب گئی ہے میدانِ کارزار سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اثرات اور واقعات کا محل وقوع جہاں سے آپ نے جنگ کی قیادت فرمائی جہاں زخمی ہوئے اور وہ میدان جہاں شہدا نے شہادت کے جام پیئے۔ سب کچھ ہی تو مکانوں کے نیچے ہے کاش پر جوش توحید میں ان آثار کو ضائع کرنے کی بجائے ان کی حفاظت کرتے۔ کچھ دیر وہاں رہے احباب جنگ مقامات جنگ اور واقعات جنگ کے بارے میں باتیں کرتے رہے سمجھتے رہے۔ ان چٹانوں اور پتھروں کی دید سے آنکھیں روشن کرتے رہے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی قدم مبارک چومے تھے اور جو ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ وہاں سے خمسہ مساجد آئے۔ پچھلی بار ہم آئے تھے تو یہ سارا علاقہ کھلا پڑا تھا اب تو بہت دور تک شاندار عمارتوں سے اٹا پڑا ہے کشادہ اور دورویہ سڑکوں کا جال بچھا ہے۔ سامنے پہاڑی پر شاہی محل بنا ہے جو خود ایک پورا شہر ہے۔ بڑے دور سے گھوم کر ہم خمسہ مساجد پہنچے۔

یہ مسجدیں ان مقامات پر بنائی گئی ہیں جہاں غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خلفاء راشدین کے خیمے تھے وہاں بھی پختہ کار پارک اور بہترین سڑکیں سب کچھ ہے پہلے خندق کے آثار تھے اب نہیں ہیں ہاں مساجد موجود ہیں وہاں پھر سلسلہ سوالات شروع ہوا خندق کہاں کہاں تھی بھلا آپ نے جو چٹان توڑی تھی جس کا واقعہ بہت مشہور ہے ایک عظیم معجزہ ہے وہ کہاں تھی دشمنوں کے خیمے کس طرف تھے بہرحال اللہ کی عطا کے مطابق جو کچھ آیا جواب عرض کرتا رہا کہ بارگاہ رسالت پناہی ؐ سے توجہ ہوئی اور سب حالات منکشف ہو گئے والحمدللہ علی ذالک سب اہل نظر احباب نے دیکھے مگر اس قدر زبردست توجہ تھی کہ کھڑا رہنا ممکن نہ رہا موٹر کا سہارا لیا۔ دعا کی اور وہاں سے سیدھے مسجد قبا چلے گئے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے مقامات کی اور کتنی رحمتیں برستی ہیں یہاں مگر اب پھر نئی تعمیر ہو رہی ہے بہت بڑی اور کشادہ مسجد اور بہت اچھی بات ہے مگر کاش سابقہ عمارت کو بھی قائم رکھیں جس کی اُمید کم ہے۔

یہاں کنواں تھا جس میں حضرت عثمان ؓ کے ہاتھ مبارک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک گر گئی تھی اب اس پر کار پارک بنی ہوئی ہے ہاں مسجد کے اندر ایک قبہ سلامت ہے جہاں حضور ؐ تشریف رکھتے تھے تو آیات قرآنی کا نزول ہوا تھا۔ وہاں نوافل پڑھے اور دعا کی واپسی پر بنو سالم کی مسجد

پڑتی تھی چھوٹی سی جہاں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا وہاں نوافل پڑھے اور ظہر کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے۔

مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بات کہنے سننے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اودھر نماز کا وقت قریب آیا ادھر مسلمان پروانہ وار بڑھے گورے کالے امیر غریب بوڑھے جوان عربی عجمی غرض ہر ایک کی نگاہ اسی مہبط تجلیات پر لگی ہے۔ اور اذان ہوتے ہوتے مسجد بھر جاتی ہے پھر اردگرد کی سڑکوں اور بازاروں تک جگہ نہیں ملتی۔ دنیا میں کسی مذہب کے معابد اس طرح نہیں بھرتے جیسے حرمین الشریفین۔ پھر ہر آدمی نے خوشبو بالاتمام لگا رکھی ہوتی ہے۔ ایک عجیب امتزاج ہوتا ہے رنگ و نور کا اور خوشبوؤں کا بھی۔ ور اندازہ ہوتا ہے کمالات محمدی صلعم کا۔ کیا تڑپ تھی جو ایک کائنات کو ہلا گئی ہے

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
خدا کی زمین جس نے ساری ہلادی

مولانا حالیؒ نے تو عرب کی زمین فرمایا تھا مگر حق یہ ہے کہ اللہ کی ساری زمین ہل گئی۔ ایک عجیب شان ہے مسجد کا صاحب مسجد کا گنبد خضرا کا اور اس کے عالی قدر مکینوں کا۔ اللہ کی رحمت ہے، اور نہ صرف بٹ رہی ہے بلکہ لٹائی جا رہی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب حکومت سعودی عرب نے جو نیا نقشہ بنایا ہے اس میں مسجد نبوی کو پانچ گنا اور بڑھایا جا رہا ہے اردگرد سے عمارتیں یوں اکھیڑی ہیں گویا وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ اللہ کریم اس گھر کے شان کو ہر آن بڑھاتا رہے آمین۔

ظہر کے بعد صبح کا کھانا اور پھر عصر سے مغرب تک مسجد نبوی میں ذکر اذکار تلاوت و مراقبات اور مغرب سے قبل روضہ اطہر پہ سلام۔ مغرب کے بعد مکان پہ محفل ذکر پھر عشاء اور رات کا کھانا یہ پروگرام رہا۔

آج تو جمعرات تھی احباب طائف سے ریاض سے دمام سے مکہ مکرمہ سے جدہ سے غرض ہر طرف سے اُمڈ آئے ہیں بہت رونق ہے اور بڑی اعلیٰ محافل ذکر ہیں۔

آج پھر امیر حلقہ سعودی عرب بندہ کو ساتھ لے کر حضرت امیر حمزہؓ کے مزار پہ حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا میں بھی چلدیا دو ایک بزرگ ساتھی بھی اُن کے ہمراہ تھے نہ میں نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا جب وہاں پہنچے تو سلام عرض کرنے کے بعد بندہ نے گذارش کی کہ حضرت ملکی سلامتی اور پاکستان پر اللہ کی رحمت اور واقعی نفاذ اسلام کے لئے ہم نے دعا کی ہے آپ بھی ہمارے لئے دعا کریں اور

بارگاہِ رسالت میں ہم گناہگاروں کی سفارش فرمائیں توانہوں نے بہت کرم فرمایا کہ میں ابھی حاضر ہو کر عرض کئے دیتا ہوں اس پر احباب نے کہا کہ ہمارا آپ کو ساتھ لانے کا مقصد پورا ہوگیا۔

عصر کے بعد کے معمولات کل کی طرح ہوئے ابھی ذکر عشا اور کھانے سے فارغ ہوئے ہیں اب انشاءاللہ آرام کریں گے باقی آئندہ انشاءاللہ۔

۱۰ر جنوری ۲۹ ر ث:

آج احباب کی بھیڑ بھی بہت زیادہ تھی اور مسجد نبوی اور مدینۃ الرسول ﷺ میں بھی بہت اژدحام اور عموماً ہر جمعہ پر یہی حال ہوتا ہے شہر کی گلیاں تک بھر جاتی ہیں جمعہ سے فارغ ہو کر لوگ واپس جانا شروع ہوتے ہیں اکثر احباب بھی چھٹی ختم ہونے کی وجہ سے واپس چلے گئے ہیں اس کے باوجود تقریباً تیس ۳۰ ساتھی تو موجود ہیں ورنہ تو پچاس کے قریب تھے اور یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اتنے ساتھی مل کر گنبد خضراء کے سائے میں ذکر کر رہے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۸ر جنوری کو جنت البقیع بھی گیا چند احباب ہمراہ تھے سیدنا عثمان غنیؓ کو اور خانوادۂ نبوت کو سلام پیش کرنے۔ کیسے کیسے حسین اس کی آغوش میں آباد ہیں۔ صحابہ کبارؓ کا ایک جم غفیر حضرت حسنؓ حضرت زین العابدینؒ جگر گوشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؓ، بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ اور انصار و مہاجرینؓ، وہ جگہ جہاں خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اٹھ کر تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے نہ جانے کتنے خزینوں کی امین ہے۔ دعائیں کیں اور گذارشات بھی مگر لکھنا ضروری نہیں جانتا۔ ہاں یہ ضرور لکھوں گا کہ مسلمانوں کی فلاح و اصلاح اور مجاہدین کی کامیابی کے لئے ضرور عرض کیا اور دعا کرائی اللہ کریم قبول فرمائیں۔ والباقی باقی

۱۳ر جنوری ۔ ۳ جمادی الاولیٰ۔

۱۱ر جنوری کو یعنی یکم ج ا - بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کرنے کے لئے پیش ہوئے کہ علی الصبح روانگی تھی احباب کو فرداً فرداً پیش کیا سب کو کیا کچھ عطا ہوا اس کی تفصیل لکھنا کچھ ضروری نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اندازہ کرنے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ کس بارگاہ میں پیش ہوئے نیز یہ پیشی بھی خصوصی طلبی پہ تھی میں تو اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ جسے جو کچھ نصیب ہوا اللہ کرے یہ سنبھال کر ساتھ لے جائیں اور نفس و شیطان کی زد سے اللہ انہیں محفوظ رکھے تو ان عطایا پہ ناز کیا کریں گے انشاءاللہ فقیر کو پہلے سے بحمداللہ تاج نصیب تھا مگر اب کے جو عطا ہوا تو اس کی مختلف الوان کی لڑیاں تھیں جو دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں ایک بزرگ ساتھی کو عصا ملا اور ایک بزرگ کو قرآن مجید نصیب ہوا۔ عصر سے مغرب تک

بیٹھ گئے پھر اذکار کے لیئے مکان پر جمع ہوئے، صبح ذکر مکان پر کر کے نماز مسجد میں ادا کی اور ناشتہ کر کے ایئر پورٹ چلے گئے۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ حسن الحسینی سے ٹکٹ او.کے کرائے تھے اس نے صرف ۲ آدمیوں کے نام دیئے ہیں ۹ کا ذکر ہی نہیں۔ احباب پریشان ہو گئے کہ عجیب بات ہو گئی اب آدھے پیچھے رہ جائیں گے ممکن ہے کسی فلائٹ میں جگہ ملے مگر اللہ کا کرم ہوا سب کو سیٹیں مل گئیں اور یوں ہم جدہ کے لئے پرواز تھے۔

جدہ ایئرپورٹ پر احباب گاڑیوں سمیت موجود تھے ان میں بیٹھ کر شہر کو چلے تو راستے میں ایک انٹرنیشنل مارکیٹ پڑتی ہے وہاں احباب خریداری کے لیئے رکے۔ تقریباً ۲ گھنٹے پھر کر دیکھا خدا یاد آیا ہے بہت بڑی مارکیٹ ہے اور انتہائی خوبصورت دنیا کی ہر چیز دستیاب ہے سوئی سے لے کر موٹر تک اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسان حیران ہو جاتا ہے اربوں ڈالر کا سامان پڑا ہے خرید و فروخت اپنی جگہ پر صرف دیکھنا ہی ایک نئے عالم کی دریافت ہے وہاں سے ایک بزرگ ساتھی کے گھر پہنچے جہاں ہمارا کھانا تھا۔ آرام کیا اور عصر کے بعد احرام پہن کر راہی حرم ہوئے راستے میں مغرب پڑھی۔ مکہ مکرمہ میں ہمارا اپارٹمنٹ پہلے سے بک ہو چکا تھا وہاں سامان اتارا گاڑیاں پارک کیں اور حرم پاک چلے گئے۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی سبحان اللہ جگمگ جگمگ کرتی اونچی نیچی روشنیاں اور چھپتے ہوئے اندھیرے ٹھنڈی ہوا حرم پاک روشنی میں نہایا ہوا کھڑا تھا اور بلند میناروں سے مؤذن کہہ رہا تھا۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یہ سب کچھ دل کی آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہو تو کیا کہنے چشم ظاہر بین سے دیکھنے پر بھی اللہ کی شان نظر آتی ہے۔

عشاء کے بعد طواف شروع کیا تبوک سے اور ریاض سے ساتھی آئے ہوئے تھے سب اکٹھے ہو گئے کچھ جدہ سے آئے کوئی مکہ مکرمہ کے مقامی۔ غرض پھر سے ایک قافلہ بن گیا اس سے عجیب تر تو وہ مقدس جماعت تھی جو مشائخ عظام کی ساتھ شامل تھی۔ ہر سلسلے کے بزرگ صاحبان مناصب کے ساتھ سلسلے کے چیدہ حضرات غرض روحانی طور پر تو ایک جم غفیر تھا۔ جب صفا مروہ کی سعی شروع ہوئی تو حضرت استاذنا المکرم رحمۃ اللہ علیہ بندہ کے سامنے دو قدم کے فاصلے پر قیادت فرما رہے تھے اور باقی سب حضرات سعی میں شریک۔ سعی کرنے کی جگہ بہت کھلی ہے مگر اس کے باوجود باہر بھی بہت حضرات چل رہے تھے صفا و مروہ پر دل سے دعائیں کیں اور سیر ہو کر کیں۔ اللہ قبول فرمائے آمین۔ یہ سب اجتماع اس لئے تھا کہ آئندہ تمام سلاسل کے فیضانات نسبت اویسیہ کی وساطت سے تقسیم ہوں گے یعنی بارگاہ رسالت سے ہر سلسلے کے سربراہ کو جو بھی قیادت کر رہا ہے

جتنا بھی فیض نصیب ہوگا اسی نسبتِ عالیہ ہی کی وساطت سے ہوگا اور یہ سلسلہ عالیہ کا بہت بڑا اعزاز اور عند اللہ قبولیت کا نشان ہے اس سے وضاحت ہوئی کہ تاج کی لڑیاں دُور دور تک کیوں پھیل رہی تھیں نیز مختلف الوان یا رنگ کیوں تھے یہ سب کچھ جن ارباب بصیرت نے دیکھا وہ بھی شاید کماحقہ، بیان نہ کرسکیں بہت ہی عجیب شان تھی۔ فارغ ہوکر مکان پر آئے کچھ احباب ملاقات کے لئے آئے تھے اور پھر آرام کیا۔

۱۷ر جنوری ۹ جمادی الاوّل ۔

آج کئی دنوں کے بعد لکھنے کے لئے کچھ وقت ملا۔ حرم شریف کی اتنی مصروفیات ہوتی ہیں پھر دُور نزدیک سے احباب جمع ہوتے گئے اور اذکار بیان یہ کچھ اتنا زیادہ تھا کہ وقت کم پڑتے لگتا تھا یہاں ایک ایک پتھر اور ہر وادی ہر پہاڑ اپنے سینے میں ایک داستان رکھتا ہے یہ سب بعثت نبوی کے چشم دید گواہ ہیں انہوں نے ایک تاریخ بدلتے دیکھی ہے ان سب نے وہ مظالم بھی دیکھے ہیں جنہیں لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہوتا ہے اور پھر شمسِ رسالت کا طلوع بھی دیکھا ہے ظلمتوں کو چھٹتے اور مٹتے بھی دیکھا ہے۔ اولادِ آدم کو زیور انسانیت سے آراستہ ہوتے بھی دیکھا ہے انہوں نے ہی اس انقلاب کو دیکھا ہے جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا اور دم توڑتی ہوئی انسانی بستی کو حیاتِ نَو بخشی ظالم کافر مشرک بدکار جاہل اور گنوار لوگوں کو شرفِ انسانیت بنتے دیکھا اور اسی جگہ سے وہ چشمۂ نور جاری ہوا جس نے ہر سُو علم کے موتی لٹائے اور عمل کے پھول برسائے یہیں جبلِ نور اپنی ساری شوکت کے ساتھ ایستادہ ہے اور کیوں نہ ہو وہ جتنا چاہے فخر کرسکتا ہے کہ اسے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خلوتیں نصیب ہیں انہیں میں جبل ثور اپنی عظمت پہ نازاں ہے اور حق ہے کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یار غار ابوبکر صدیق کی محفلیں نصیب ہیں وہ ان کی تنہائیوں کا امین ہے۔ عرفات نے سینہ بچھا رکھا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کا امین ہے مزدلفہ اور منیٰ نقوش پائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن ہیں جہاں انہیں سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی قربانی یاد ہے وہاں بعیت عقبہ اولیٰ و ثانی کی حکایت بھی تو بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں۔ غرض کیا کیا یاد کیا جائے تمام برکات کا مرکز تو یہی ہے یہ مراجہ سا مکان جو غلاف اوڑھے کھڑا ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے جس کی ساری خدائی ہے تو پھر یہ اکیلا اس کا کیوں ہے اس کی خبر اسی کو ہو سکتی ہے جس کے بہت سارے ہیں اور ان میں کوئی اکیلا بھی اس کا ہو۔ یہ چند پتھروں کی عمارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ محبوب تھی کہ شب اسرا بھی یہاں ہوکر چلے اور تو اور ہجرت کی رات کتنی شدید تھی

جب مکہ کے مختلف قبائل کے چیدہ چیدہ جوان تلواریں سونت کر گھیرا ڈالے کھڑے تھے وہاں وہ مکان بھی تو یہیں ہے اسی شہر میں آج کل ایک دفتر بنا ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے مگر بیت اللہ شریف سے ملاقات ضرور کی یہاں تشریف لائے اور پھر ابوبکر صدیقؓ کے کاشانہ کو جلوۂ شاہانہ سے منور فرمایا اسی گھر کی طرف رُخ کر کے سجدہ کرتے کو آپؐ بے تاب ہوا کرتے تھے اور بار بار رُخِ انور آسمان کو اُٹھ اُٹھ جاتا تھا۔ بہر حال یہ سب عظمتِ مسلم کے نشان بھی ہیں اور واقعہ بھی ان میں آج بھی وہی برکات موجود ہیں اللہ مسلمانوں کو سمیٹنے کی توفیق ارزاں کرے آمین۔

ان باطنی عظمتوں کے ساتھ حرم شریف کی ظاہری وجاہت بھی بے اندازہ ہے دنیا میں کسی قوم کو ایسا عالی شان معبد نصیب ہے نہ اس قدر آباد سبحان اللہ وبحمدہ۔

دن گذرتے رہے ایک دن جدہ گیا ڈاکٹر طوسی صاحب کو دکھانا تھا دوائی اور واپس آگیا الحمد للہ ذاکرین کی جماعت کے ہمراہ جبل ثور عرفات منیٰ اور جبلِ نور پر حاضری دی دعائیں کیں اور واپس جنت معلیٰ میں حاضر ہوئے۔ یہ جلیل القدر صحابہ اور اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آرام گاہ ہے اس نے ابن زبیرؓ کو سولی پر لٹکتے دیکھا اور بے شمار عاشقانِ رسولؐ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے آخری سرے پر وادی میں پرانی قبریں ہیں جن میں ابوطالب کی قبر نمایاں ہے بس وہی کچھ چند آثار باقی ہیں جو اس سرے پر ہیں باقی تو یار لوگوں نے مٹا کر جدید قبرستان بنا دیا ہے حتیٰ کہ بظاہر اب کوئی نشان نہیں ملتا۔ جو حال جنت البقیع کا ہے وہی نقشہ یہاں بھی ہے۔

ایک روز ایک محلے میں گیا وہاں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور کافی لوگ ہیں وہاں شاید اس دور میں قبرستان تھا۔ مگر حالت بہت خستہ ہے ایک حویلی سی ہے۔ مٹی سے بھری پڑی ہے اور اوپر ٹوٹی پھوٹی اشیا پڑی ہیں نہ جانیں کب کرینیں آئیں گی اور یہ ڈھیر بھی زمین سے ملا کر میدان بنا دیں گی۔

الحمد للہ اب تو مکہ میں مقامی لوگ بھی ذکر میں شامل ہو گئے ہیں ایک مقامی ساتھی نے دعوت کی بڑے مخلص اور سادہ انداز میں اللہ کریم ان سب کے دلوں کو روشن رکھے۔ بس اسی رونق میں دن تمام ہوئے اور جمعرات کو آخری عمرہ کیا دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد جدہ آگئے کچھ ساتھی وہاں رہ گئے جو سیدھے وطن جائیں گے فقیر کے ہمراہ سات احباب جدہ آئے اور ایک رات قیام کے بعد کل ابوظہبی پہنچے یہاں بھی ائیرپورٹ پہ احباب کی بھیڑ تھی۔ دو فلیٹ ساتھیوں نے حاصل کر رکھے

(باقی ___

دیکھتا چلا گیا

سبیلانی کے قلم سے

۱- مدینہ طیبہ میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ نماز کے لئے گھر سے نکلے مسجد نبوی جا رہے تھے کہ اذان شروع ہوئی۔ جونہی مؤذن نے "اللہ اکبر" کہا فٹ پاتھ پر سفری دکانیں جو سجی ہوئی تھیں لپیٹی جانے لگیں۔ دکانوں کے سامنے کپڑے کے پردے لگ گئے۔ گویا دکانیں بند کردی گئیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دکان کے آگے کپڑے کا پردہ اتنا مضبوط ہوتا ہے جتنا ہمارے ہاں قفل بھی مضبوط نہیں ہوتا۔ کیونکہ قفل بڑی آسانی سے توڑے جاتے ہیں اور توڑنے والوں کو کوئی پوچھتا نہیں۔ مگر یہاں اس کپڑے کے پردے کو ہاتھ لگانا تو کجا کوئی نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں۔ خدا جانے نماز کے لئے اس اہتمام کے پیچھے قانون کی طاقت کام کر رہی ہے یا ایمان کی قوت۔ کوئی تو ضرور ہے ہمارے ہاں تو نظام صلوٰۃ کے سرکاری طور رائج ہو جانے کے باوجود اذان کی آواز سے کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ نہ قانون کا احترام ہے نہ ایمان کی قوت چلو یہی غنیمت ہے کہ اسلام کا نفاذ تو ہو رہا ہے۔

۲- سعودی ایرلائن کے جہاز پر کراچی سے سوار ہوئے تو مسافروں کے لئے ہدایات کا سلسلہ شروع ہوا۔ عملے کے کسی رکن نے قرآن کریم کی آیت پڑھی۔

سبحٰن الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔ پھر دعائیں مسنونہ پڑھیں۔ ایک دعا یہ تھی۔

اللھم انا نسئلك فی ھذا السفر البر والتقوی ومن العمل ما ترضی

یہ سنکر خوشی ہوئی کہ اسلامی ایرلائن کی انفرادیت تو ظاہر ہوتی ہے۔ ہماری پیاری ایرلائن پر تو جہاز کے بلند ہوتے ہی ساز و آہنگ کا شغل ہوتا ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ قوم ہی جب چنگ و رباب کی رسیا ہے۔ تو یہ لوگ معاشیات کے اصول کے مطابق جو سپلائی

اور ڈیمانڈ کے مسئلہ میں کار فرما ہے۔
اپنی ائیر لائن میں جاذبیت پیدا کرنے کے لئے وہی کچھ پیش کیا جاتا ہے جو یہاں کے لوگ چاہتے ہیں۔ اور اس گاتے بجانے کی رسیا قوم کی توجہ اللہ اور رسول کی طرف موڑنا کوئی آسان کام تو نہیں۔
ہاں تو بات سعودی ائیر لائن میں آغاز پرواز کے موقع پہ دعا کی ہو رہی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔
الٰہی ہم اس سفر میں آپ سے نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے ہیں۔ اور دوران سفر ایسے عمل کی توفیق طلب کرتے ہیں جو تجھے پسند ہے۔ دُعا کتنی جامع اور عظیم ہے۔ کیوں نہ ہو الفاظ اس کے ہیں جس کے متعلق رب کریم نے فرمایا ہے کہ "وہ اپنی خواہش سے بولتا ہی نہیں بلکہ زبان اس کی ہوتی ہے بات اللہ کریم کی ہوتی ہے"۔ مگر یہاں دعا کرنے والوں کی حالت عجیب ہے۔ توفیق نیکی اور تقویٰ کی طلب کی جا رہی ہے اور سامنے نیم برہنہ نوعمر بنی ٹھنی دوشیزائیں خدمت کے لئے کھڑی ہیں جنھیں عرف عام میں مستورات کہا جاتا ہے مگر جو درحقیقت مکشوفات ہیں۔ اس اللہ سے نیکی کی توفیق طلب کی جا رہی ہے جس نے حکم دیا ہے کہ

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ۔

"یعنی اے بیبیو! اپنے گھروں میں رہ کر تعمیری کام کرو اور کافرانہ دور کی طرح بن ٹھن کر باہر نکل کر دعوت نظارہ نہ دیتی پھرو" یعنی اللہ کی مخالفت کا اہتمام بھی ہے اور نیکی اور تقویٰ کی درخواست بھی کی جا رہی ہے جیسے کوئی دانشور سنکھیا کھا رہا ہو اور درازیٔ عمر کی دعا بھی کر رہا ہو۔ اور اس رسول کے بتائے ہوئے الفاظ میں اس عمل کی توفیق کی درخواست کی جا رہی ہے جو اللہ و رسول کو پسند ہو۔
اور لطف یہ کہ اس رسول برحق نے ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکاسیات العاریات یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ یعنی کام وہ ہے جو اللہ و رسول کو سخت ناپسند ہے اور دعا یہ ہے کہ اس عمل کی توفیق دے جو تجھے پسند ہے ہائے یہ دو رنگی، اُف یہ منافقت!
مسلمان جہاں بھی ہے فرد ہو یا جماعت

رعایا ہو یا حکومت تضاد کا شکار ہے۔ مگر ایسے فن کار کہ اللہ و رسول کا جو حکم اپنی پسند اور مرضی کے مطابق ہو اسے لپک کے قبول کریں اور جہاں دین اور خواہش میں تصادم ہو جائے۔ دین سے ایسی آنکھیں پھیرتے ہیں گویا دین سے واقف ہی نہیں۔

بہر حال سعودی ایئر لائن میں یہ تضاد حوصلہ شکن ضرور ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے حرم

پاسبان مل گئے کعبے سے صنم خانوں کو

۳۔ ایک بزرگ سیاسی شخصیت نے اخبار کے ذریعے یہ دعویٰ کیا ہے یا یوں کہئے کہ دعوت دی ہے کہ "اگر مجھے اقتدار مل جائے تو آٹھ روز میں اسلام نافذ کر دوں"۔

ہم ایسے خوش قسمت کہاں کہ نفاذ اسلام کا ایمان افروز منظر دیکھنے کی سعادت نصیب ہو۔ مگر حضرت کا دعویٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ کو اسلام نافذ کرنے کے فن میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی مہارت مسلسل مشق اور طویل تجربہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ محترم بزرگ نے اپنی ذات پر اپنے پانچ فٹ جسم پر یقیناً اسلام نافذ کر لیا ہو گا پھر وہ چھوٹی سی ریاست جسے ان کا گھر کہہ سکتے ہیں اور جس پر انہیں اقتدار حاصل ہے اس سٹیٹ میں تو لازماً انہوں نے اسلام نافذ کر لیا ہو گا۔ اور اس کامیاب تجربہ کے بعد ہی یہ صلائے عام دیدی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو اور اگر خدا نکردہ آپ یہ سب کچھ نہیں کر پائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ روٹی کپڑا اور مکان کی طرح یہ بھی حصول اقتدار کے لئے ایک سیاسی منتر پڑھا جا رہا ہے۔

۴۔ قدوۃ السالکین حضرت پیر پگارا صاحب نے فرمایا کہ:-

"ضیاء الحق نے اسلام کے نفاذ کے لئے ایک آنے کا کام بھی نہیں کیا"

گو یہ درست ہے کہ؎

اے عدم جن کی بات چلتی ہو
بات کرتے ہیں کس قرینے سے

گستاخی معاف حضرت پیر صاحب نے غور نہیں فرمایا۔ کیا جناب صدر نے وزارت عظمیٰ کے لئے جناب جونیجو کا انتخاب نہیں فرمایا اور پھر اس صوبے کی گورنری کے لئے جس میں کوئٹہ واقع ہے ہز ایکسی لنسی جناب جنرل موسیٰ کا تقرر نہیں فرمایا۔ کیا نفاذ اسلام کے لئے یہ ایک آنے کا کام بھی نہیں ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تو سترہ آنے کا کام ہے۔ اٹھارہواں آنہ تو اس کے بعد شروع ہو گا۔

۵۔ اسی روز کے اخبار میں جناب صدر کا فرمان بھی تھا کہ جمہوریت تو آگئی مگر اسمبلیوں میں کوئی اسلام کا نام نہیں لیتا۔

خدا جانے اتنے بڑے آدمی بھی غلط فہمی کا شکار کیوں ہو جاتے ہیں۔

کیا جناب صدر نے غور نہیں فرمایا کہ اسلام کے نفاذ کے لئے منتخب ہونے والے لیڈروں نے حجۃ الاسلام حضرت سید فخر امام مدظلہٗ کو اپنا قائد نہیں چُن لیا؟ اس سے زیادہ وہ حضرات اسلام کے نفاذ کے لئے کیا کر سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لئے نہ مارشل لاء نے کوشش کرنے میں کوئی کمی کی ہے نہ جمہوریت نے کوئی کسر چھوڑی ہے یہ قصور تو خود اسلام کا ہے کہ نافذ ہونے میں نہیں آتا۔

بہرحال مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا بہ اُمید قائم۔ ہمارے رہنما اسلام نافذ کر کے ہی رہیں گے۔

تنظیم الاحباب چکوال (پاکستان) کے زیرِ اہتمام کُل پاکستان

مقابلہ مضمون نویسی

تنظیم الاحباب (پاکستان) چکوال کے زیرِ اہتمام ایک کُل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی منعقد کیا جا رہا ہے جس کا موضوع

"نوجوان نسل کو منشیات کے جنون سے کیونکر بچایا جا سکتا ہے"

تجویز کیا گیا ہے تمام احباب کو خصوصاً کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء و طالبات کو اس موضوع پہ لکھنے کی دعوتِ عام ہے تین بہترین مضامین پر تنظیم کی طرف سے سرٹیفیکیٹ اور انعام دئے جائیں گے اور منتخب مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ تمام مضامین جو کاغذ کے ایک طرف خوشخط لکھے ہوئے ہوں زیادہ سے زیادہ ۱۵ مارچ تک جنرل سیکرٹری تنظیم الاحباب پوسٹ نمبر ۲۲ چکوال کے پتے پر پہنچ جانے چاہییں۔ ہر مضمون کے ساتھ ایک روپے کے ڈاک کے ٹکٹ بطور انٹری فیس آنا ضروری ہے ورنہ مضمون مقابلے میں شامل نہ ہو گا۔

قیوم ملک جنرل سیکرٹری

ایمان

ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم انقیاد۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم وقبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا اس تسلیمی جزو کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین واحکام الہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے۔ گویا حق تعالےٰ کی ربوبیت کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلے میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے اسی کی تجدید وتشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے۔ پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد وپیمان تھا اسی کی تفصیل پورے قرآن وسنت میں دکھلائی گئی ہے۔ اس صورت میں دعوائے ایمان کا مطلب یہ ہوا۔ کہ بندہ تمام احکام الہیہ میں خواہ ان کا تعلق براہ راست اللہ سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عہد وپیمان اسلام جہاد، سمع وطاعت یا دوسرے عمدہ خصائل اور امور خیر کے متعلق صحابہ سے بہ شکل بیعت لیتے تھے وہ اسی عہد ایمانی کی ایک مخصوص صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالےٰ کے جلال وجبروت کی صحیح معرفت اور اس کی شان انصاف وانتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بدعہدی اور غداری کے مہلک نتائج سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو اللہ سے، بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں۔ اس طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

(تفسیر عثمانی)

قسط (۳)

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ کے دورہ کی رپورٹ

ڈاکٹر عظمت

لاہور شہر اپنے اندر اپنے ہی انداز کی مصروفیات رکھتا ہے۔ ظہر کے بعد احباب ملنے کے لیئے آگئے جو اپنی اپنی جگہ پہ اسلام اور اُس کے نفاذ کے لیئے کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ گفتگو چلتی رہی حتیٰ کہ عصر ہو گئی۔ عصر کے بعد ایک دو اور دوستوں سے ملاقات رہی نماز مغرب اقبال مسجد میں ادا کی اور اس کے بعد جو بیان ہُوا۔ اس کا لُبِ لُباب کچھ اس طرح سے ہے۔

"اللہ نے انسان کو دو حق عطا فرمائے ہیں۔ ایک زندہ رہنے کا۔ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی گئی۔ کہ وہ اپنی انا کے لیئے یا اپنی بات منوانے کے لیئے یا اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیئے کسی دوسرے شخص کی جان لے لے یا اُسے قتل کر دے۔ جان لینے کا حق اُسی کو ہے جس نے جان دی ہے۔

دوسرا حق ربِّ کریم نے ہر انسان کو یہ عطا کر دیا ہے۔ کہ وہ عقیدہ اور ایمان اپنی پسند کا رکھے۔ آخرت کا حساب اسی بات پر ہے۔ استحقاق حق کے بعد اگر وہ چاہے تو حق کو قبول کرے، نہ چاہے تو نہ کرے حق قبول کرنے میں اُس کی گردن نہیں ماری جائے گی۔ وہ اپنے کفر پہ قائم رہنا چاہتا ہے تو بے شک رہے۔ یہ دو حق ہر کس و ناکس کو دے کر پھر ایک قانون ارشاد فرمایا مسلمانوں کے لیئے۔ اور وہ اصول ہے جہاد۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جنگ اور جہاد دو مختلف چیزیں ہیں۔ جہاد جنگ نہیں ہے اور جنگ جہاد نہیں ہے۔ جنگ ہوتی ہے مقابل کو مسخر کرنے کے لیئے۔ کسی دوسرے کو مجبور کر کے اپنی بات منوانے کے لیئے اور اس کے برعکس جہاں حق پہ ضرب پڑ رہی ہو تو حق کی حفاظت کے لیئے اور اس کے دفاع کے لیئے جو کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ اس میں قتل ہونا پڑے یا قتل کرنا پڑے وہ جہاد ہے۔ اللہ کریم نے باوجود اس کے کہ ساری دنیا کو زندہ رہنے کا اور عقیدہ اپنانے کا

اختیار دیا۔ اس کے باوجود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ اے میرے نبی کفار سے جہاد جاری رکھ۔ اس لئے کہ کافر کو کافر رہنے کا تو حق ہے لیکن کفر کو اسلام پر مسلط کرنے کا حق نہیں ہے۔ جس طرح مومن کے لئے حدود ہیں کہ وہ کافر کے عقیدہ میں بھی مداخلت نہ کرے، اسی طرح کافر کے لئے بھی حدود ہیں کہ وہ عقائدِ اسلامی پر حملہ نہ کرے۔ اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے کافر کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ وہ اسلامی قوانین نہ توڑے عقیدے اپنے پر رہے۔ کسی پتھر کی کسی جانور کی کسی شخص کی پوجا کرنا چاہتا ہے۔ کرے یہ اُسے اجازت ہے۔ لیکن یہ اجازت نہیں ہے کہ اُس جانور، اس پتھر کو لے کر آپ کی مسجد میں دھر آئے اسلام کے احکام کو پامال کرے، یہ اجازت نہیں دی جاتی۔ اور اگر ایسا کرنے سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ بہ نوکِ شمشیر اُسے اس سے روکیں۔ اس کو جہاد کا نام دیا ہے۔ رب العالمین نے۔ اور جہاد اتنا اہم فریضہ ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ بھی پہنی۔ میدان میں تشریف بھی لائے اور ضربیں بھی کھائیں۔ دندانِ مبارک بھی نچھاور کئے سفر بھی کئے اور اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے

کریں کہ دس سالہ مدنی زندگی میں اسّی یا اس سے زائد غزوات دستیاب ملتے ہیں۔ جب کفر اسلام پر چھانا چاہے۔ اور اسلام کو دبا کر اس پر اپنے آپ کو مسلط کرنا چاہے تو پھر وہ جو رحمۃ للعالمین ہے وہ بھی مجبور ہے۔ کہ تلوار لے کر میدان میں آ جائے اس سوچ میں پڑے بغیر کہ نتیجہ کیا ہو گا۔ اللہ تعالےٰ نے کہیں بھی یہ حکم نہیں دیا کہ میرے حبیبؐ تیرے ساتھ تو چند جانثار ہیں۔ تو مصلحت کوشی سے کچھ تھوڑا سا کفر کو برداشت کرے۔ کچھ تھوڑی تھوڑی اسلام کی تبلیغ کرتا رہے۔ اور اس طرح سے گذارہ چلا۔ آپ دیکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی شدت سے احساس تھا۔ جب آپؐ میدانِ بدر میں پہنچے کہ سارے ظاہری اسباب کفر کی طرف تھے اور ادھر نہتے تعداد میں بھی کم بچے اور بوڑھے جن میں شامل تھے، جانثار تھے۔ لیکن اس کے باوجود جو دعا کی وہ یہ تھی۔ کہ خدایا میں سارے اسلام کو کفر کے مقابلے پہ لے آیا ہوں۔ یہ نحیف و نزار بوڑھے یہ کمسن بچے اور ان میں چند نوجوان خدایا یہ روئے زمین پر سارا اسلام ہے۔ آج اگر یہ کھیت رہے تو پھر کوئی پیشانی تیری بارگاہ میں نہیں جھک سکے گی کسی تک حق نہیں پہنچ سکے گا۔ خدایا انہیں فتح عطا کر۔ یہ نہیں کہا کہ خدایا انہیں بچا لے۔ واپس چلے جائیں

اسباب کم ہیں، تعداد کم ہے۔ اگر فرمایا تو یہی کہ اللہ انہیں فتح عطا کرے۔ پھر ارشاد ہوا کہ جہاد میں نرمی نہیں ہے کافر اور منافق سے جب جہاد کر تو میرے نبی جہاد میں شدت کو اپنا۔ جہاد ہے پوری قوت سے کفر کی ناک میں نکیل ڈال دینے کا نام۔ ہیرا پھیری کا نام جہاد نہیں ہے۔ نعرہ بازی کا نام جہاد نہیں ہے ذاتی مفادات حاصل کرنے کا نام جہاد نہیں ہے شر اور فساد پھیلانے کا نام جہاد نہیں ہے۔ بلکہ روئے زمین سے شر کو مٹانے کا نام جہاد ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی رعایت نہیں ہے۔ اس کا حال ایسے ہوتا ہے کہ بدر میں حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر اہل مکہ کی طرف تھے۔ سیدنا حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے تھے ابھی تک یہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ جب انہیں سعادتِ ایمان نصیب ہوئی تو بعد میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے عرض کی والدگرامی کے سامنے کہ اباجی یوم بدر آپ کئی دفعہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن باپ باپ ہوتا ہے اور بیٹا بیٹا۔ میرا ہاتھ آپ پر نہ اٹھ سکا اگرچہ میں آپ کے سخت خلاف تھا۔ فرمایا اللہ کی قسم! اگر تو میری زد میں آجاتا میں تیرے پرخچے اڑا دیتا۔ عرض کی۔ آپ کو یہ رحم نہ آتا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ فرمایا جہاد میں یہ گنجائش نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جو آجائے وہ نہ بیٹا ہے، نہ بھائی ہے نہ عزیز نہ کوئی رشتہ دار نہ دوست ہے۔ نہ اس سے کوئی تعلق۔

تو جہاد کا حق یہ ہے۔ کہ جب کیا جائے۔ تو پوری شدت کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں کوئی لچک نہ ہو کہ کچھ کفر کی تسلیم کی جائے۔ کچھ ہماری ہو جائے۔ جو شخص دین کو بھی سراہتا ہے اور کسی قدر کفر کو بھی برداشت کرتا ہے وہ بھی منافق ہوتا ہے۔ جس دل میں کفر کی گنجائش نکل آئے۔ اس دل میں نفاق ہوتا ہے اور نفاق بھی کفر ہی کی شدید ترین قسم ہے۔

اب آیئے رواجی تقریروں کو چھوڑ کر ہم اپنے آپ کو اس کسوٹی پہ پرکھیں، کیا جس ملک میں ہم بیٹھے ہیں یہ اسلامی ملک نہیں ہے۔ کیا اس میں طاغوتی طاقتیں کفر کو مسلط کرنے کی کوشش نہیں کر رہیں، کیا اس کے مقابلے میں ہماری کوئی کوشش کوئی آواز ہے کون شخص ہے ہم میں سے جس کے پاس اس کا کوئی جواب ہو۔ ہم نے ایک نعرہ لگایا۔ اور وہ بڑا عجیب نعرہ تھا کہ ہم کافروں کے ساتھ مل جل کر اور کافروں کے مشترکہ قانون کے ماتحت نہیں رہیں گے۔ ہمیں تھوڑا دے دو۔ ایک خطۂ زمین دے دو جس میں ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے قانون کے ماتحت آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ خدا بھی کتنا کریم ہے وہ جانتا تھا کہ یہ کتنے سچے ہیں اور کتنے کھرے ہیں۔ اس کے باوجود اس نے ہمیں دیدیا۔ وہ یہ خوب جانتا تھا کہ ہم لوگ کیا کریں گے۔ لیکن نبی رحمتؐ کی نسبت سے اللہ نے ہمیں محروم نہیں رکھا۔ ہم سے یہ تک نہیں ہو سکا کہ نصف صدی

ہونے کو آتی ہے ہم اس ملک میں کم از کم اسلام کا مکمل تعارف ہی کرا دیتے - ہم سے یہ تک نہ ہو سکا کہ نصف صدی میں ملک کو تو چھوڑیں ملک تو حکمرانوں کا مسئلہ ہے میرا اور آپ کا مسئلہ تو یہ ساڑھے پانچ فٹ کا جسم ہے یہ بھی ملک ہے اس پر میرا اور آپ کا اختیار ہے کیا اس پر ہم نے اسلام نافذ کر دیا ؟ اور اس سے کفر کی اور طاغوتی طاقتوں کو نکال دیا ہے ؟ یا ہر شخص اس بات پہ ہے کہ اسلام کو تو زبان تک رکھو اور دل میں دنیا کی عیش و عشرت کو جگہ دو - تو کیا یہ دل ہمیشہ سینے کے اندر ہی دھڑکے گا - کسی ایسے میدان میں نہیں جائے گا جہاں اسے نکال کر تیری ہتھیلی پہ رکھ دیا جائے - جہاں زبانیں بند ہو جائیں - اور اعضاء و جوارح بات کرنے لگیں اور پھر انسان مجبور ہو جائے - ہم نے اسلام نافذ کرنا تو در کنار الٹا اسلام میں تشکیک پیدا کر دی ہے - شبہات پیدا کر دئے ہیں - اور ہم نے اسلام کو مساجد پر تقسیم کر دیا ہے - ہم نے اسلام کو افراد پر تقسیم کر دیا ہے یہ دو دو تین تین چار چار کی ٹولیوں کا علیحدہ اسلام ہے - کیا ان سطحی باتوں سے اوپر ہو کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کا قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہم پہ نافذ کرو - جو اس سے ٹکراتا ہے اسے اس دیس میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے - یہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور اگر کوئی رہنے کے بعد بھی قرآن و سنت کو نہیں مانتا نہ مانے لیکن اس کی متعین کردہ حدود کے اندر زندگی بسر کرے - اس سے زبردستی منوانا ہمارا کام نہیں ہے - اسے مجبور کرنا کہ مانو یہ حق نہیں ہے نہ مانے - لیکن اس کی حدود کو توڑنے کی جرأت نہ کرے - برتری اور حاکمیت اسی کی ہو گی - اگر میں اور آپ اس پہ متفق ہو جائیں تو حاکم بھی مجبور ہو جائیں گے اس بات کو ماننے پہ اور جب میرا اور آپ کا اسلام ہی نہیں مل رہا - تو حکومت کو کیا پڑی ہے کہ وہ کبھی ایک اسلام کو نافذ کرے ، کبھی دوسرے کو یہ تو ہونے سے رہا - لہٰذا میرے بھائی یہ وقت وہی ہے جس میں میری اور آپ کی پرکھ ہو رہی ہے - اگر ہم اس غفلت کا شکار رہے تو وہ قادر ہے کیا عجب وہ کل چین والوں کو توفیق فرما دے وہ قادر ہے روس کو توفیق عطا کر دے جو آج اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں وہ کل اپنی پیشانیوں سے مساجد کو آباد کر رہے ہوں - لیکن وہ لمحہ میرے اور آپ کے لئے نہیں رہا ہو گا - اگر ہم اس حد تک چلے گئے کہ نفاذِ اسلام کے لئے اللہ نے کوئی اور قوم پیدا کر دی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم پر بحیثیت قوم سیاہی پھیری جا چکی ہے - یہ ہماری اپنی بقا کا ہمارے اپنے ایمان کا مسئلہ ہے خدا کے لئے ایک جگہ پہ آ جائیں اور وہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی حکومت کرے ہمیں اس سے غرض نہیں کوئی بھی ہو لیکن حکومت اس کی نہ ہو - وہ نافذ کرنے والا ہو - ہم پہ حکومت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کی جائے -

اور جو بھی اس ملک میں بسنے والا ہو۔ اُسے قرآن وسُنّت کی حدود کا احترام کرنا ہوگا۔ اگر توڑنا چاہتا ہے تو پھر وہ ہمارے سینے توڑ کر ہی ان کو توڑ سکے گا۔

اس ولولہ انگیز بیان کے بعد وہیں محفلِ ذکر ہوئی۔ احباب کی ایک کثیر تعداد نے اس محفل کی برکات کو لُوٹا اور دعا کے بعد حضرت جامع مسجد علامہ اقبال ٹاؤن جو کرشاپنگ سنٹر سے ملحق بالکل چوک پر واقع ہے میں عشاء کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاں عشاء کی نماز کے بعد آپ کا بیان رکھا گیا تھا بیان کیا ہوا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ دہل دہل گئے ایک حقیقت تھی جو لوگوں کے منہ پر کہی گئی۔ کہی کیا گئی چیلنج دی گئی۔ اور ہم سامعین نہ اس حقیقت کو جھٹلا سکے۔ نہ اس کو سُننا ہی چاہتے تھے۔ ہمارے اندر کی منافقت حضرت نے منبر پہ بیٹھ کر مائیک کی بلند آواز کے ساتھ فضا میں بکھیر دی جس کے لئے ہم میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ نتیجتاً سخت شرمندہ ہوئے۔ آبدیدہ ہوئے لرزے روئے اور جی بھر کر روئے۔ وعدہ کیا کہ اے اللہ ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ تیرے ساتھ معاملہ کھرا رکھیں گے۔ تیرے رسول ﷺ کے ساتھ معاملہ کھرا رکھیں گے۔ اس کے سوا ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں کہ اس خطاب کی جھلکیاں آپ تک تحریر کے ذریعہ پہنچا سکوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کیفیات بھی بیان کر سکوں کیونکہ آج تک کیفیات الفاظ میں سموئی نہیں جا سکیں۔ حضرت کا بیان کیا تھا۔ بس ایک درد بھرے دل کا درد تھا سوز تھا۔ جو ان کی زبان پر آیا تھا۔ جو ایک شفیق ہستی کے ہونٹوں سے نکل نکل کر اس بیماری کے لئے جسے لا علاج تصور کر رہے ہیں۔ مکمل شفایاب ہونے کا آسان اور سہل ترین طریقہ تھا۔ انسانیت کی اس کربناک حالت کے لئے سکون اور اطمینان کا سانس تھا۔ بیان اس طرح تھا۔

بزرگانِ محترم!

برادرانِ اسلام، عزیزانِ گرامی اس دور میں وعظ کرنا یا کسی سے مذہب کے متعلق بات کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس قدر پریشان ہیں اتنے اُلجھ چکے ہیں۔ دورِ حاضرہ کی مصیبتوں میں اور اتنے گھر چکے ہیں پریشانیوں میں کہ انہیں بات سُننے کی فرصت ہی نہیں۔ آپ اندازہ فرمائیے کہ کسی کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا جا رہا ہو۔ اور آپ لب سڑک کھڑے ہو کے اسے وعظ سنا رہے ہوں اور اُسے مذہب کی تلقین کر رہے ہوں تو وہ کیسے آپ کی بات سُنے گا۔ وہ تو اس کی بات سُنے گا جو اس کی گردن سے وہ رسہ چھڑا دے۔ اگر اس کی جان چھوٹ گئی تو شاید کوئی دوسری بات بھی سُن لے لیکن جب تک وہ اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے وہ میری یا آپ کی بات نہیں سنے گا۔

اس جدید روشنی کے اندھیروں نے خلقِ خدا کا یہی حال کر دیا ہے کہ ہر شخص اس قدر پریشانیوں میں گھر گیا ہے کہ گھر سے لے کر دفتر تک دکان سے لے کر بازار تک اور مکان سے لے کر کاروبار تک اسے کہیں امن نظر نہیں آتا۔ کسی پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ کہیں بے فکر ہو کر بیٹھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تو حد یہ ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلے انسانوں کو ان مصائب کا حل نظر آئے اور جب انہیں کوئی ملجہ سکون کا میسر ہو پھر آپ ان سے بات کریں کہ آؤ میاں مسجد چلیں یا آؤ اللہ کو یاد کریں، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے تب ممکن ہے کہ وہ آپ کی بات پر میری بات پہ غور کریں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو خواہ وہ گھر میں علاج کرے، حکیم کے پاس جائے، یا ڈاکٹر کے پاس، اصول ہر جگہ ایک ہی ہے کہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ بیماری اس سے پہلے کسی کو تھی۔ اور اگر تھی تو کون سا علاج کارگر ہے۔ وہی علاج اس شخص پہ آزمایا جائے۔ انسانیت کا جو دکھ ہے انسانیت کی جو تکلیف ہے اور یہ جو عالمگیر پریشانی ہے۔ اس کو دیکھا جانا چاہیئے کہ کیا کبھی انسانیت آج سے پہلے بھی اسی طرح پریشان ہوئی۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا زمانہ آیا کہ لوگ آج کی طرح دکھی ہوں اور اگر آیا، تو انہیں کیسے نجات نصیب ہوئی؟ اس پریشانی کا اُن مصیبتوں کا حل کیا تھا؟ تو اگر ہم یہ بات دیکھنا چاہیں تاریخِ انسانی میں، تو چھٹی صدی عیسوی اور ساتویں صدی عیسوی کے سنگم کو آپ دیکھیں تو آپ یقیناً یہ کہہ اُٹھیں گے۔ کہ ہم اس قدر دکھی نہیں ہیں۔ اتنے پریشان ہم نہیں ہیں جتنے اس صدی میں بسنے والے لوگ تھے۔

اب اگر اس کا اجمالی سا خاکہ میں پیش کروں تو قیاس فرمایئے کہ یہاں اس برصغیر میں بندروں اور خنزیروں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کو اُن کے سامنے ذبح کیا جاتا تھا۔ درختوں اور پتھروں کو راضی کرنے کے لیے موہوم خداؤں کو راضی کرنے کے لئے اپنے ہی بنائے ہوئے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کی گردنیں کاٹی جاتی تھیں۔ اور بتوں کے قدموں پر اُن کا خون پھینکا جاتا تھا۔ کیا کوئی انسانی زندگی کی قدر و قیمت تھی۔ ہر طاقتور ہر کمزور کو نوچنے پھاڑنے کا حق رکھتا تھا بلکہ تقسیم کر دیا گیا تھا۔ انسانوں میں کچھ ایسے تھے جن کا کام ظلم کرنا ہی تھا۔ اور کچھ ایسے تھے جن کا مقدر ظلم سہنا تھا۔ اگر شودر گستاخی سے برہمن کو دیکھے تو اس کی آنکھیں نکال دو۔ اونچا بولے تو زبان گدی سے کھینچ لو۔ گستاخی کرے تو قتل کر دو اور برہمن قتل بھی کر دے تو برداشت کرو۔ یہاں سے آپ وسط ایشیا میں یا شمال کو جائیں تو یہاں جو اقوام بستی

تھیں۔ ان میں اتنا شعور بھی نہ تھا کہ کھانے کے لئے جانور کو ذبح ہی کر لیں۔ یا اس کی زندگی ختم کر کے کھا لیں۔ بلکہ ان کی تہذیب ایسی تھی کہ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ لیتے تھے جتنا ضرورت ہوتا تھا۔

یہ تاریخ بتاتی ہے کہ ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے گھوڑے پر بھوک یا پیاس ستاتی تو اس کو خنجر مار کر منہ لگا کر خون پی لیتے تھے۔ جو انسان اس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے کیا وہاں کوئی انسانیت کی رمق ہو سکتی ہے۔ انسانی اخلاقیات قسم کی کوئی شے ہوگی۔ میں نے ان کے حالات پڑھے ہیں۔ بے شمار واقعات ایسے آتے ہیں تاریخ میں۔ ان کا خلاصہ یہ چھوٹے سے واقعہ میں عرض کر دوں۔ جب کسی قبیلے پر تاراج کرتے۔ ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ ہر کمزور کو ہر طاقتور لوٹ لیتا تھا۔ اور لوٹنا اپنا حق سمجھتا تھا۔ اور صرف مال ہی نہیں لوٹتے تھے۔ عورتیں پکڑ کر لے جاتے تھے اور منڈیاں لگتی تھیں۔ جی چاہا تو اپنے پاس رکھ لیں۔ بچوں سے خدمت لی اور عورتیں بیچ دیں یا بچے بھی بیچ دیئے۔ ان سے بھی مال کماتے تھے اور حال یہ ہوتا تھا کہ عصر کے وقت ایک قبیلے پہ تاراج پڑی۔ تو ان کا طریقہ واردات یہ ہوتا تھا کہ جب چھاپہ مارا تو پہلے تو جو سامنے آیا اسے قتل کر دیا تا کہ ہیبت چھا جائے۔ مال لوٹ لیا۔ کچھ عورتیں قتل ہوئیں کچھ بچے قتل ہوئے، مرد گئے ہوتے تھے مویشیوں کے ریوڑ جمع کر لئے۔ جو تھوڑے بہت مرد تھے قتل ہو گئے۔ جب وہ مویشی جمع کر کے پلٹے تھے تو جو ان کا سردار تھا وہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھا تھا۔ لڑکا قتل ہو گیا اور بیوی کو ڈاکو لے گئے تھے۔ مال لوٹ کر لے گئے تھے۔ دوسرے کنبے کا سربراہ آیا۔ اور اسے تسلی دے کر کہنے لگا یار اس طرح گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھنے سے عمر نہیں کٹے گی۔ کسی کو اپنے سے کمزور دیکھو اور اسے لوٹ لو۔ اور تم بھی اپنی ضرورت پوری کر لو۔

یہ تھی جناب وہاں کی تہذیب۔ آپ یورپ میں جائیں تو آپ کو وہاں کا ایک عظیم انسان تیرو کے نام سے نظر آتا ہے جس کے پاس روما کی سلطنت تھی۔ وہاں انسانوں کا اور انسانیت کا یہ حال تھا کہ اسٹیڈیم بنے ہوئے تھے اور بادشاہ بھی امرا بھی تماشا دیکھنے کے لئے انسانوں پہ بھوکے درندے شیر چیتے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ انسان بھاگتے تھے چلاتے تھے۔ مقابلہ کرتے تھے۔ بالآخر مار تو انسان ہی کو کھانا ہوتی تھی۔ اور جب وہ درندے دبوچتے تھے انسانوں کو تو جب ان کی چیخیں نکلتی تھیں تو بادشاہ بھی امراء بھی تالیاں پیٹتے تھے۔ اس سے بڑھ کر وہ لوگ ہضم ہم کرنے

کے طریقے میں یہاں تک پہنچے کہ آدمیوں کی ٹانگوں سے رسی باندھ کر اُلٹا لٹکا دیتے اور نیچے آگ جلاتے۔ تو جب وہ تڑپتے تو اُن کے تڑپنے کا تماشہ دیکھتے آپ جنوب میں جائیں تو یہ بات آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ افریقہ میں تو طاقتور کمزور کو پکا کر کھا جایا کرتا تھا انسان انسانوں کا شکار کرتے تھے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے افراد کو پکڑ کر لاتا تھا وہ ذبح کرتے تھے پکا کر کھا جاتے تھے۔

روئے زمین کے درمیان ایک جزیرہ تھا چھوٹا سا جسے جزیرۃ العرب کہتے ہیں اس کا حال یہ تھا کہ اس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی تھی یہ لوگ ساری زندگی سفر کرتے رہتے تھے۔ مختلف ممالک میں مختلف اقوام کے ساتھ کچھ سامان لے جاتے۔ کچھ وہاں سے لے آتے تھے، کچھ خصائل اور کچھ عادات بھی لے آتے۔ تو یہاں پر بیک وقت ہر طرح کا ظلم موجود تھا۔ اور یہ ایسا دور تھا کہ کسی سسکتے بلکتے ہوئے انسان کو چپ کرانے کے لئے کوئی تکلیف نہیں کرتا تھا۔ کمزوری ایسا جرم تھا کہ اس پر ظلم روا سمجھا جاتا تھا آپ بات کو ایک انداز سے دیکھیں کہ جب کوئی مرتا تھا تو اس کی اولاد آتی دس بیویاں رہ جاتی تھیں تو بیٹے وراثت میں ماؤں کو بانٹ کر بیویاں بناتے تھے۔ مرنے والے کے لڑکے مرنے والے کی بیویوں کو اپنی ماؤں کو جائیداد میں بانٹتے تھے۔ اور جس کے حصے میں جو آتی اس کی بیوی ہوتی تھی۔ کیا اس سے زیادہ انسانیت کی ذلت کا کوئی تصور ہے؟ اس پوری وسیع زمین پر اللہ کا نام بتانے والا کوئی شخص نہیں تھا۔ اور جب انسانیت ذلت کی انتہا کو پہنچی تو رحمت باری کو جوش آیا اور ساری مصیبتوں کا ایک ارشاد ہوا۔ رب کریم کی طرف سے۔

"محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ اگر چشم تصور کو لے جائیں وہاں تو دیکھیں جزیرۃ العرب کے مرکزی شہر مکہ مکرمہ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اس پر اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہے اور ایک عجیب دعوت دے رہا ہے اس عالم میں جب نفسا نفسی کا افراتفری کا اور پریشانی کا عالم ہے تو یہ کیسا عجیب انسان ہے، خدا کا کیسا عجیب بندہ ہے کہ آواز دے کے کہتا ہے۔

"اے لوگو! اے ساری انسانیت! اے دنیا کے بسنے والو! ساری مصیبتیں میرے پاس لے آؤ۔ اور میرے قدموں پہ پھینک دو اور میرے پاس راحتیں ہیں، امن ہے سکون ہے آرام ہے مجھ سے لے جاؤ۔ یعنی جب باپ بیٹے کی پریشانی نہیں بانٹ رہا۔ اس زمانے میں بیٹا والدین کی

پریشانی نہیں بانٹ رہا۔ اُس زمانے میں حاکم رعیت کی پریشانی نہیں بانٹ رہا۔ اور جس عہد میں رعیت حاکم سے وفا نہیں کرتی جس عہد میں کوئی انسان دوسرے سے شفقت کی اُمید نہیں رکھتا اُس عہد میں ساری انسانیت کو اللہ کا ایک بندہ بڑی عجیب دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہے۔ میرے پاس آؤ۔ میری بات مانو میرے ساتھ چلو تم خود بخود فلاح پا جاؤ گے اور فلاح ایسے منافع کو کہتے ہیں جس میں نقصان کی آمیزش نہ ہو۔ یہ فلاح نہیں ہے۔ کہ آپ ایک طرف سے دس کمائیں اور دوسری طرف پانچ کا نقصان ہو گیا۔ نہیں بلکہ اُس فرد کی ذاتی زندگی سے لے کر گھریلو، خاندانی، معاشی، معاشرتی۔ کاروباری اور سیاسی زندگی، بلکہ دنیا کے بعد قبر، برزخ، حشر بلکہ آخرت کی زندگی کو بھی شامل کرے اور کہیں سے نقصان نہ پائے تو وہ فلاح پانے والا ہو گا۔ اصطلاحِ قرآن کریم میں فلاح پانے والا وہ شخص ہو گا جو جب سے اُس حلقے میں داخل ہو۔ تب سے لے کر ابدالآباد تک کہیں اُسے خسارہ سامنے نظر نہ آئے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فلاح کو کتنے سستے داموں لُٹا دیا۔ مفت دیا اور یوں دیا کہ اعلان فرما دیا کہ خزانہ تو اس ربّ العالمین کا ہے لیکن میرا منصب ہی اسے بانٹنا ہے۔

لہٰذا میرے بھائی ایک ہوتا ہے دعویٰ اور ایک ہوتا ہے اس دعوے کا اثر اور اس پر عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ اپنی جگہ میری اور آپ کی عقیدت اپنی جگہ۔ مسلمان کا ایمان اپنی جگہ۔ لیکن حقیقت کو تو دنیا سے، تاریخ سے، دور سے عہد سے منوایا جائے تب بات بنتی ہے میری اور آپ کی عقیدت یا ماننا۔ تو یہ کوئی ماننا نہیں ہے۔ کوئی متعلق یا متعلقین میں سے کوئی شخص مان لے تو یہ اور بات ہے۔ لیکن ماننا تب ہے کہ موافق و مخالف سب کی زبان بند ہو جائے۔ سب کو ماننا پڑ جائے۔ تو آپ تاریخ عالم کو اُٹھا کر دیکھیں تو آپ کو یہ نظارہ نظر آئے گا کہ تباہی کی دلدل میں گرتی ہوئی انسانیت کو اللہ کے اس بندے نے صرف سہارا ہی نہیں دیا، روکا، اس کا رُخ درست کیا اور اس دلدل سے اُٹھا کر بندوں کو اللہ سے آشنا کر دیا۔ ڈاکوؤں کو عادل، خانہ بدوشوں کو حکمران اور جاہلوں کو فاضل کر دیا۔

ارے واہ! اور ایک ایسا انقلاب بپا کیا

کہ مورخ کا حوصلہ جواب دے جاتا ہے، تاریخ کے صفحات تنگ ہو جاتے ہیں اور لکھنے والوں کی سیاہی خشک ہو جاتی ہے اُس دور کے محاسن ختم ہوتے میں نہیں آتے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اب میں ایک مثال عرض کروں گا۔ آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا ہمارے ہاں جرنیل بنتے ہیں۔ ایک شخص بچپن سے لیا جاتا ہے سکول، کالج اکیڈمی سروس پھر ساری زندگی وہ ملک اور بیرون ملک کورس کرتا رہتا ہے اور ہر سال اُس کی رپورٹ لکھی جاتی ہے۔ جانچ پڑتال ہوتی ہے، کروڑوں اربوں روپے قوم کے خرچ ہوتے ہیں اور ایک شخص کی بچپن سے لے کر سفید بالوں تک عمر صرف ہوتی ہے تب جا کر وہ جرنیل بنتا ہے اتنی محنت کے بعد بننے والے جرنیل کیا سارے کامیاب جرنیل ہوتے ہیں: الا ماشاء اللہ۔ ملک میں جانا ہی کوئی نہیں ہوتا ان جرنیلوں کو۔ الا ماشاء اللہ لاکھوں ہزاروں میں ایک مرد میدان نکلتا ہے جو زندگی کا حق ادا کرتا ہے۔

اب آئیے آپ تاریخ کے دروازے پر اللہ آپ کو اپنی عقیدت، آپ کی عقیدت نصیب کرے۔ اور اس میں زیادتی عطا فرمائے دن بدن۔ عقیدت کو آپ اپنے سینے میں رکھیئے اور تاریخ کے دروازے سے آیئے اور ایک چھوٹی سی بستی میں چٹائی پر بیٹھے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھیے۔ چرواہا آتا ہے۔ ایمان لاتا ہے۔ صبح کو اٹھتا ہے فرمایا صبح جو جا رہی ہے فوج اس کا سالار تو ہے کتنا کورس کیا اس نے۔ کہ وہ صحرائی تھا، بدوی تھا۔ اونٹوں کا ریوڑ بھیڑوں کا ریوڑ بکریوں کا ریوڑ چھوڑ کر اللہ نے اس کو توفیق بخشی۔ اور وہ بارگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا۔ یہاں فرزند سالار کی تھی۔ جرنیل کی تھی۔ فرمایا تیری صحت اچھی ہے، تیرا وجود اچھا ہے۔ لڑ سکتا ہے اس کی قیادت میں تجھے عطا کرتا ہوں۔ کوئی مورخ، کوئی کافر مورخ، کوئی مشرک مورخ کوئی اسلام کا دشمن مورخ کسی جرنیل پہ انگلی رکھ کر بتا دے کہ وہ ناکام جرنیل تھا۔ تاریخ کی جرأت نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے بنائے ہوئے جرنیل کو فراموش کر کے تو دیکھے ذرا بھلا کر تو دیکھے۔ ان ہستیوں کو بھلا سکتی نہیں ہے۔

آپ سپر پاور کی اکثر بات سنتے ہیں آج اس دور میں سپر پاورز ہیں۔ آج کے دور کی سپر پاورز کی وہ حیثیت نہیں ہے جو اس زمانے میں تھی آج Atomic Age ہے کوئی چھوٹا

سا ملک بھی کسی بڑی سُپر پاور پر یہم پہلے چلا دے تو اُس کی ساری Superiority وہیں دھری رہ جائے گی - وہ عہد تھا افرادی قوت کا دست بدست جنگ کا - تیر و تلوار کا اور سُپر پاورز وہ تھیں جو کروڑوں سپاہی میدان میں لا سکتی تھیں ایک اشارے پر اور سامنے تلوار سے کر کھڑا ہونا پڑتا تھا - سینے پہ کھانا پڑتی تھیں۔ اور ان کے سینے کھولنے پڑتے تھے -

اس عہد میں چند سر فروشوں کو جمع فرمایا صحرائے عرب کے خانہ بدوشوں کو اور سُپر پاورز کو لا الٰہ الا اللہ پر لا کر چھوڑا - صدیوں کے لوٹے ہوئے غریبوں کا مال قیصر و کسریٰ سے چھین کر روضۂ اطہر کے سائے میں ہتھوڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے غُربا میں تقسیم کر دیا - ہر ظالم کا ہاتھ کاٹ دیا اور ہر مظلوم کے سر پہ دستِ شفقت رکھا - اور یہ چند منتشر افراد جو کبھی منتشر ہُوا کرتے تھے - حبیبِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یکجا ہوئے تو ایک ایسی طاقت بن گئے کہ نہ صرف اُن کی پریشانی ختم ہوئی - انہوں نے ساری انسانیت سے پریشانیاں دُور کر دیں - اب حیرت ہوتی ہے کہ وہ صحرا سے اُٹھ کر چین سے لے کر ہسپانیہ تک چھا جاتے ہیں، سائبیریا سے لے کر امریکہ تک بڑھتے چلے جاتے ہیں - اللہ کی شان نہ صحرا ان کے قدم پکڑتے ہیں - نہ پہاڑوں کی بلندیاں انہیں روکتی ہیں نہ سمندروں کی گہرائیاں آڑے آتی ہیں - اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی مورخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ تین حصے معلوم دنیا کو فتح کرنے والی فوج سے کسی ایک سپاہی نے کسی کافر مفتوح پہ بھی غلط نگاہ ڈالی ہو کیا دنیا کی کوئی قوم یہ مثال پیش کر سکی ہے - تو یہ سب کیا تھا۔ یہ کس نے دیا - انہوں نے کہاں سے لیا - یہ عظمتیں یہ نیکیاں یہ وری تقویٰ یہ خلوص اور یہ سیاسی قابلیت اور یہ حاکمانہ دائیں یہ جرنیلی دبدبے یہ سب کہاں سے آ گیا - کہ میدان میں نکلتے ہیں تو میدان لرزتے ہیں اُن کی ہیبت سے - اور مسجد کا رُخ کرتے ہیں تو اُن کے اپنے پسینے چھوٹ رہے ہوتے ہیں عظمتِ الٰہی سے جو اٹھتی ہے تلوار تو اگر کافر بھی کہہ دے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو جذبات اتنے قابو میں ہیں کہ تلوار نہیں پڑتی - پکڑ کر سینے سے لگا لیتے ہیں - یہ کیسے لوگ ہیں انہیں یہ کس نے کمال عطا کئے ہیں - قرآن کریم نے ایک جملے میں سارا بھید کھول دیا ہے -

فرماتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وہ رسول ہیں جو جب مبعوث ہوئے تو ساری خدائی کے لئے۔ ساری کائنات کے لئے ساری انسانیت کے لئے اور ابد الآباد کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ کی رسالت صرف عربوں کے لئے نہیں تھی۔ صرف اس زمانے کے لئے نہیں تھی۔ عالم گیر تھی۔ عالمگیر رہے گی۔ تو جب اللہ کا رسولؐ اپنے منصب رسالت پہ موجود ہے تو اس کی برکتیں دیکھنے میں کیوں نہیں آتیں۔ اُسی کے نام لیوا پریشان کیوں ہیں۔ کیا اُس کے کمالات میں کوئی کمی آگئی ہے، نہیں ایسا نہیں ہے بات یہ ہے۔ کہ ہمارے تعلقات میں کوئی فرق آگیا ہے۔ آپ یہ روشنی لے رہے ہیں تو آپ کی تار جہاں سے کمزور ہو گی۔ روشنی کم ہو جائے گی۔ کہیں سے ٹوٹ گئی۔ تو مطلق چلی جائے گی۔ اسی طرح جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اور انسانیت میں رابطہ تھا وہ جن کا ٹوٹ گیا۔ اُن کے دونوں عالم گئے اور جن کا تھوڑا سا استوار ہے، وہ ایک سانس شکھ کا لیتے ہیں۔ ایک سانس میں روشنی آتی ہے اور دس سانسوں میں وہ اندھیرا آجاتا ہے۔ جہاں ان کی تاریں یہاں سے ٹوٹ کر دوسروں پر اُرتھ ہوئی پڑی ہیں اور دوسروں سے اُلجھ گئی ہیں۔ تو کامل سکون کے لئے مغرب کی طرف لیجائیں گا، اپنے آرام کے لئے اپنے اطمینان کے لئے اپنے سکون کے لئے بھی ہمارے پاس ایک ہی دروازہ ہے۔ اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درِ اقدس۔ آج بھی وہاں رحمتیں اُسی کثرت سے بٹتی ہیں۔ کوئی پاس لگ کر دیکھے۔

دیکھئے انسان اللہ کی باشعور ترین مخلوق ہے۔ انسان کی بات چھوڑیں۔ انسان میں تو لطیف تر جذبات موجود ہیں اور سب سے پاکیزہ اور لطیف تر جذبہ محبت کا ہے۔ یہ جو لغزشیں اور کدورتیں ہیں۔ یہ انسانیت کا کمال نہیں ہیں۔ کمالِ انسانیت محبت ہے۔ وہ محبت جو کسی کافر کے لئے بھی انسان کو بحیثیت انسان بے تاب کر دے۔ وہ محبت جو فاروق اعظم کو یہ کہنے پہ مجبور کر دے کہ دجلہ کے کنارے بھوک سے مرنے والا کتا بھی میری ذمہ داری ہے۔ مجھ سے پوچھا جائے گا وہ کیوں بھوک سے مرا۔

انسان میں محبت کا پایا جانا تو انسانیت کا زیور ہے۔ لیکن ایک بات طے ہے، محبت کرنے والے کا کمال نہیں ہوتا۔ محبت محبوب کا کمال ہوتا ہے کسی کو کسی شے نے رُجھا لیا تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ دوسرے کو کوئی دوسری چیز بھا گئی تو وہ اس کی محبت میں اُلجھ گیا، محبت، محبت کرنے والے کا کمال نہیں ہوتا۔ اس میں جذبہ ہوتا ہے لیکن اس جذبے کو محبت کا نام اس کا محبوب دے دیتا ہے۔ تو یہ کیسا محبوب ہے کہ جس کی محبت نے بلا رنگ و نسل بلا تمیز عربی و عجمی بلا تمیز سیاہ و سفید ہر ایک کو اپنے دام میں اُلجھائے رکھا۔ آپ یہاں کسی سے پوچھیں تو وہ کہیں گے میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک جاپانی مسلمان سے پوچھیں تو وہ کہے گا۔ میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کیسا محبوب ہے جس نے کروڑوں دلوں میں محبت کے الاؤ روشن کر دیئے ہیں۔

واقعی یہ عجیب ہستی ہے بات صرف اتنی ہے۔ کہ اُس کے ساتھ کوئی لگ جائے۔ ہوا یہ مدینہ منورہ میں حضور تشریف لائے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور اس میں کھجور کے تنے کے ستون اور کھجور کے تنے ڈال کر اوپر کھجور ہی کے پتے ڈال کر مسجد تیار کی۔ اسی محراب میں جسے آپ آج بڑا خوبصورت دیکھتے ہیں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو جب آپ فارغ ہو کر واپس مڑے تو رُخ انور کیچڑ سے بھر چکا تھا۔ پھر فدایان پیغمبر نے عرض کی یا رسول اللہ اس کا کوئی اہتمام کیا جائے۔ فرمایا۔ کہیں سے کنکرے آؤ۔ اور اس میں بچھا دو۔ کنکریاں بچھا دو۔ تو جب حضور خطبے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان ہی ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ لپشت مبارک لگا لیتے خشک تنا تھا درخت کا۔ ہم تو روتے ہیں کہ انسانوں کے دل محبت سے خالی ہو گئے ہیں۔ وہ خشک لکڑی تھی انسانی جذبات نہیں تھے اس میں انسانی روح نہیں تھی، لیکن یہ کیسا محبوب ہے کہ جس کے لمس نے اُس خشک تنے میں جذبۂ عشق جنون کی حد تک بیدار کر دیا اور جب حضور کے لئے منبر بنوایا گیا اور آپ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو امام بخاریؒ لکھتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے اور بے شمار صحابہ روایت کرتے ہیں مجمع تھا صحابہ کا مسجد نبوی بھری ہوئی تھی۔ تو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے لئے اُٹھے اور ستون کے ساتھ ٹیک لگانے کی بجائے منبر پر تشریف لے گئے تو یکبارگی وہ چیخ اُٹھا اور اس زور سے چیخا کہ اس نے پوری مسجد ہلا رکھدی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا لیعنی چند منٹ کی جُدائی برداشت نہ کر سکا۔ اور ایک سوکھا ہوا درخت اپنی جڑ سے کٹا ہوا درخت ستون بنا ہوا درخت، ارے تھا ہی درخت اصل سے جڑ سے کٹ گیا عمارتی ستون بن گیا پھر اس میں عشق و محبت کہاں سے بھر آیا یہ ستون کا نہیں محبوب کا کمال ہے۔ کرم دیکھو محبوب کا اگر دلوں میں محبت کی شمعیں روشن کرتا ہے شمع کہنا بجا نہیں

الاؤ کوشش کرتا ہے۔ تو پھر آپؐ اُن پہ کرم بھی یوں فرماتا ہے۔ کہ جب وہ ستون چیخا تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم برداشت نہ فرما سکے منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ اسے گلے سے لگا لیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ دفعتہً خاموش نہیں ہو گیا جس طرح کسی رونے والے بچے کو ماں چپ کرائے تو وہ چکورے لیتا لیتا جا کر چپ ہوتا ہے اُسی طرح وہ ستون سسکتا سسکتا بڑی دیر بعد خاموش ہوا۔ لیکن رحمتِ عالم کا عموم رحمت دیکھو اُسے جسے جذبہ جنون دیا اُسے وصال کی لذتیں بھی یوں بخشیں کہ اپنی باہوں میں لپیٹ لیا۔ اتنے کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور فرمایا اگر تو چاہے تو میں دعا کروں خدا تجھے پھر سے ہرا کر دے اور کسی نخلستان کی زینت بنا دے اور اگر چاہے تو میں تجھے جنت میں ساتھ رکھوں گا۔ اس نے ہرا ہونے سے دفن ہونا قبول کر لیا کہ پیغمبرؐ کی جوتیوں میں رہوں گا۔

ارے اتنا شعور تو سوکھے درخت میں بھی آ گیا میں اور تو کیسے مسلمان ہیں کہ نہ ہمارے دل سے کوئی نالہ اُٹھا، نہ ہماری آنکھ سے کوئی آنسو ٹپکا اور نہ ہمارے لیے بازو ئے پیغمبر وا ہوئے ہم کیسے انسان ہیں، کیسے مسلمان ہیں۔ ایمان سے کہو جسے حضورؐ اپنی باہوں میں لے لیں وہ پریشان رہتا ہے تو پھر کیا دیکھتے ہو، لوگو، دوڑو، بھاگو، لپٹ جاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس کے سوا عالم میں کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اپنے دلوں کو اپنے دماغوں کو نکال کر پھینک دو حضورؐ کے قدموں میں۔ دیکھو تو حضور کے حکم سے بولو تو حضورؐ کی منشا سے بات کرو تو حضور کی اجازت سے کسی سے لڑو تو حضورؐ کے حکم سے صلح کرو تو حضور کی خاطر پھر دیکھو یہ پریشانیاں کیسے چھٹتی ہیں تمہارے اردگرد سے اور اگر خلوصِ قلب سے یہ علاج نہ کیا گیا تو وہ بارگاہ تو عالی ہے اللہ کریم ہے فرماتا ہے "اللہ قادر ہے تم نے اگر ناقدری کی تو جس نے اللہ کے رسولؐ کی ناقدری کی بھی آپ ایمان سے کہیں، کیا اُسے حق ہے اللہ کی کائنات میں رہنے کا؟ حق ہی نہیں رہتا۔ پھر ناقدری کی حد ہوتی ہے اللہ فرماتا ہے ایک درجہ پہ پہنچ کر میں دھتکار کر نکال دیتا ہوں لوگوں کو۔ اور دوسروں کو توفیق دے دیتا ہوں۔ اپنا گھر آباد کرنے کی۔ تو میرے بھائیو، میرے بزرگو! میرے عزیزو! رسمی وعظوں اور جلسوں کی جاہی سے نکلو، اپنے آپ کے لیے سوچو اپنی اولاد کے لیے سوچو، اپنے دو عالم کے لیے سوچو اور اللہ کے دین کے لیے اپنی بقا کے لیے لپٹ جاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے اور ایسے لپٹو کہ دنیا تو دنیا ہے۔ قیامت کا زلزلہ بھی تمہارے ہاتھ سے رسولؐ کا دامن نہ چھڑا سکے۔ پھر دیکھو وہ دامن تمہیں کن عظمتوں پہ لے جاتا ہے اور اگر یوں ہی ذاتی مفادات اور دو لقمے کھانے کے لیے، پل بھر کی نفسانی خواہشات کے لیے اپنی اس فانی شہرت کے لیے اپنی انا کی تسکین کے لیے ایک دوسرے سے دست و گریباں رہے تو وقت آپکا انتظار نہیں کرے گا وقت تو بہتا ہوا پانی ہے بھی نکل گیا تو گیا۔ دیکھو ہم دن رات کہتے ہیں پورے ملک پہ اسلام نافذ کریں گے لیکن اس چھوٹے سے ملک پر (اپنا جسم) جو ہمارے پاس ہے۔ اس پر لاگو نہیں کر سکتے۔ کیا ہم اس کے مجھے حلال کا اہتمام کرتے ہیں اور حرام سے ڈر لگتا ہے۔ کیا ہم سچ ہی بولتے ہیں۔

اور جھوٹ سے ڈرتے ہیں کہ کہیں حضور ناراض نہ ہو جائیں۔ کیا ہم دیانتداری سے کام کرتے ہیں۔ دن بھر کی بددیانتی سے حضور خفا ہوں گے۔ یاد رہے! یار ایمان سے کہو کہ جس کا ہاتھ حرام سے لتھڑا ہوا ہو، کیا وہ اس قابل ہے کہ حضور کے دامن پہ ہاتھ رکھ سکے۔ کیا ہمیں اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ حرام سے ہاتھ کو لتھڑنے نہ دیں کہیں آپ کا دامنِ رحمت ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے اگر نہیں ہے تو پھر کب ہوگا؟

مسلمانو! اللہ کے لئے سوچو کہاں جا رہے ہو۔ ارے جسے سوکھے درخت کی نالہ بے چین کر دیتا ہے کبھی تیری آنکھ سے بھی آنسو ٹپکا ہوتا، کبھی تیرے سینے سے بھی ہوک اٹھی ہوتی کبھی تیرا دل بھی تڑپ کر چیخا ہوتا۔ پھر تو دیکھتا۔ اس کی محبت تجھے کس طرح سنبھالتی ہے۔ خدا ہم سب کو حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے" آمین۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ مسجد عین چوک میں ہے اور اس کے گرد شاپنگ سنٹر ہے جہاں اس وقت خوب رش تھا۔ مسجد میں لوگوں کے جذب کا حال اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقریر ختم ہونے سے پہلے لوگ باہر سے آ کر اندر بیٹھنا شروع ہو گئے اس آواز میں وہ کشش تھی کہ باہر بازار میں مائیک پر جس نے سنا، کچھ دیر سنتا رہا۔ آخرکار مسجد میں چلا آیا کہ دیکھوں تو سہی یہ کون درد کا مارا شخص ہے۔ یہ کیسی ہستی ہے جو آج بھی اس دور کے انسان کو مژدۂ جانفزا سنا رہی ہے کہ لوگو رک جاؤ۔ اس بیماری کا علاج بھی ہے اس کی دوا بھی ہے اور جو آتا گیا وہ بھی اسی جذب کی کیفیت میں مبتلا ہوتا گیا جس میں باقی سب بیٹھے تھے۔ اس درد کا خلوص حضرت کے چہرے پہ صاف دیکھا جا سکتا تھا

آپ نے تقریر ختم فرمائی باہر مسجد کے صحن میں نکلے لوگوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے جو لوگ مائیک پر سن رہے تھے وہ یہاں گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ جدھر اور جہاں بھی لوگ تھے چاہے سڑک پر یا دکان پر گاڑی کے اندر یا آئس کریم کے کھوکھے پر سب کی نظریں حضرت پر لگی ہوئی تھیں اور یہ پتہ دے رہی تھیں کہ ان کانوں میں بھی اس درد کی صدا پہنچ چکی ہے۔ لوگوں کے ان رکے جذبات کو سر کے ہلکے سے اشارے سے سراہتے ہوئے حضرت گاڑی میں بیٹھے اور عشا اور کھانے کے لئے جماعت کے ایک ساتھی کے گھر تشریف لے گئے وہاں سے فارغ ہو کر رات قیام کرنل مطلوب صاحب کے دولت خانے پر ہوا۔ صبح تہجد کا ذکر کھاریاں مل مرکزِ ذکر میں ہوا۔ نماز فجر کے بعد حضرت نے درس قرآن پاک ارشاد فرمایا حضرت ابوبکرؓ کا مقام پہلی مرتبہ مجھ جیسے ناقص العلم شخص کی سمجھ میں بھی آیا درس کے بعد حضرت دوپہر تک اپنی نجی مصروفیات میں رہے اور دوپہر کے کھانے کے بعد منارہ کے لئے روانہ ہوئے اسے میری خوش قسمتی کہیے یا حضرت کی خصوصی شفقت کہ ڈرائیونگ پھر میرے حصے میں آئی اور ہم سرگودھا کی طرف چل پڑے میرے ساتھ حضرت مولانا صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے اور پچھلے حصے میں حافظ عبدالرزاق صاحب بالکل میرے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تھوڑی دیر چلنے کے بعد دیکھا تو حضرت اونگھ رہے تھے چہرے پہ سکون ہی سکون تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو حافظ صاحب بھی

سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مراقبہ میں تھے۔ یا ذکر اذکار کر رہے تھے۔ لیکن میں نے اُن کو بھی بُلانے کی جُرأت نہ کی۔ گاڑی چلاتے چلاتے دماغ میں عجیب عجیب خیالات بھی آ رہے تھے نظر تو سڑک پر تھی لیکن ذہن اس سمت چلا گیا۔ جب میں نیا نیا اس سلسلے میں شامل ہوا تھا۔ حضرت الکرمؒ کی شخصیت نظروں کے سامنے آئی اُن کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ اور اُن عقائد کے معاملات میں ذکر اذکار کے بارے میں لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کے بارے میں تمام تقاریر اور اُن کی صحبت میں ہونے والی تمام باتیں ذہن میں آتی چلی گئیں۔ یہ سلسلہ نہ جانے کب تک چلتا رہا کہ ایک جگہ ٹریفک کے رش میں خیالات پھر حاضر کی طرف لوٹے جیسے ہی پھر سڑک صاف نظر آئی نگاہ ایک بار پھر ساتھ بیٹھی ہوئی ہستی کی طرف اٹھ گئی اور دل میں یکبارگی یہ بات اُترتی چلی گئی کہ جو حضرت الکرمؒ کا مشن تھا اس کو اس ہستی نے کیسے سنبھالا اور پھر پورا دورہ نظروں کے سامنے آیا۔ کھاریاں سے لے کر لاہور تک وہ کون سا مقام تھا جہاں انہوں نے حق کی بات نہ پہنچائی ہو کونسی ایسی جگہ تھی جہاں غلط عقائد رکھنے والوں اور رافضیوں کی سازشوں کو بے نقاب نہ کیا ہو۔ کونسی ایسی مسجد تھی جہاں آنے والوں کو اللہ اور رسول کے احکامات پر عمل کرنے کی دعوت نہ دی ہو جیسے جیسے غور کرتا جاتا ویسے ویسے یہ بات واضح ہوتی جاتی۔ کہ

مشن وہی ہے ہستیاں بدل گئیں ہیں۔ اگر حضرت الکرمؒ اپنی ساری زندگی اسی مشن کی نظر کر گئے تو ان کے جانشین اور روحانی بیٹے نے اس مشن کو آگے بڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک بار پھر نگاہیں ساتھ بیٹھی ہوئی ہستی پر پڑیں۔ اور ادب و احترام کے ساتھ واپس سڑک پر ٹکٹکی ہو گئیں یہ کیسے لوگ ہیں یا اللہ جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی تیرے نام اور تیرے دین کی سربلندی بنا رکھا ہے۔ اللہ تو ان کا حامی و ناصر ہو اور ہم جیسے گناہگاروں کو ان کی خدمت پر مامور رکھ کہ شاید اسی خدمت کے طفیل آخرت میں سُرخروئی حاصل ہو جائے۔ غرض اس طرح کے خیالات میں سفر کٹتا رہا۔ عصر کی نماز چنیوٹ میں پڑھی۔ مغرب تک سرگودھا پہنچ گئے۔ اور رات کا کھانا کھا کر منارہ کے لئے چلے۔ گاڑی میں ہی چلا رہا تھا۔ پہاڑی سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ایک مقام پر چھوٹی سی مسجد آتی ہے اس میں عشاء کی نماز ادا کی اور ڈرائیونگ حضرت نے خود سنبھالی۔ حافظ عبدالرزاق صاحب سے بار بار کہا کہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جائیں لیکن وہ پیچھے ہی بیٹھے رہے۔ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حضرت کی میٹھی میٹھی باتیں جاری تھیں۔ لیکن میرا تھکن کے مارے یہ حال تھا کہ گردن کبھی اس طرف ڈھلکتی تو کبھی دوسری طرف۔ غرض نیم غنودگی کی حالت میں مجھے حضرت نے "دارالعرفان" میں اُتارا حافظ صاحب نیچے اُترے ہمیشہ کی طرح تر و تازہ۔ حضرت نے خود بھی اسی مخصوص انداز میں اپنے منیجر سے ان دنوں کا سرسری حساب لیا اور اپنے

گھر کی طرف روانہ ہو گئے - میں بوجھل قدموں کے ساتھ چلتا ہوا لائبریری میں پہنچا - پورے ہفتے کی تکان جسم پہ طاری تھی - اور میں بستر پر لیٹ کر سوچ رہا تھا کہ میرے سے دوگنی عمر کے یہ اللہ کے بندے بالکل تروتازہ نظر آ رہے ہیں - اسی طریقہ سے باتیں کر رہے ہیں جیسے کبھی کہیں گئے ہی نہ ہوں - حالانکہ میں ان کے ساتھ تھا اور پورے ہفتے میں مجھے یہی یاد پڑتا ہے کہ یہ رات کو دس گیارہ بجے سے پہلے سوئے ہوں اور صبح ساڑھے تین سے پہلے نہ اٹھ گئے ہوں -

آسان الفاظ میں کہ میرے سونے کے بعد سوتے تھے اور صبح میرے جاگنے سے پہلے جاگ جاتے تھے - اور میں سارا دن فارغ ہوتا تھا - یہ حضرات تو سارا دن کسی نہ کسی کام میں مصروف ہی رہتے تھے - اور پھر اس پہ یہ بیانات یہ تقاریر اور محافلِ ذکر، اور مجھے خود پہ اعتماد تھا کہ میں مضبوط اعصاب رکھتا ہوں اور کئی دفعہ اس چیز کا لوگوں کو ثبوت دے چکا تھا - لیکن آج ان دو بزرگ ہستیوں کے سامنے میرے اعصاب، میری قوتِ ارادی سب دم توڑ گئے تھے - اگر میں مضبوط اعصاب کا مالک ہوں تو یہ ہستیاں فولاد کے اعصاب رکھتی ہیں - ان کو دنیا کی مشکلات روک نہیں سکتیں - ان کے قدم نہیں رک سکتے - یہ آج بھی ویسے ہی تازہ دم ہیں جیسے جاتے ہوئے تھے

اللہ تبارک و تعالیٰ

ان کا سایہ ہمارے سروں پہ قائم و دائم رکھے آمین - ثم آمین کہ ان کی صحبت میں بیٹھنا ان کے ساتھ تعلق کا ہونا خوش بختی کی دلیل ہے -

اللہ ہم سب کو توفیق ارزانی فرمائیں -

ماہنامہ "المرشد" کا مطالعہ

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ اس میں جو مضامین ہوتے ہیں وہ انسان کی اصلاح اور قلب کو جلا دینے والے ہوتے ہیں خود بھی پڑھئے اور اپنے بچوں اور دوست احباب کو بھی ضرور پڑھوائیے -